جلد 19 شمارہ 2 ماہ فروری 2017ء جمادی الاول 1438ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا روح پرور سالانہ کنونشن

21،22 اپریل 2017ء

بروز جمعہ، ہفتہ کو منعقد ہوگا

اللہ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر، تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ان مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔

﴾اس شمارے میں﴿

سالانہ کنونشن

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا روح پرور سالانہ کنونشن

مورخہ 21،22 اپریل 2017ء بروز جمعہ، ہفتہ کو منعقد ہو گا

اللہ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر،

تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ان مجالس میں اہتمام کے

ساتھ شرکت فرما کر انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔

بمقام: **مرکز تعمیر ملت**

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)

جی ٹی روڈ **گوجرانوالا**

رابطہ نمبر 0303-0466321

معراج

بہت خاص جلوے دکھائے گئے ہیں — حبیب خدا ہیں بلائے گئے ہیں

وہ راز آج تک جو چھپائے گئے ہیں — ہمارے نبی ﷺ کو بتائے گئے ہیں

وہ لوح و قلم ہیں، یہ ہیں عرش و کرسی — بتدریج پردے اٹھائے گئے ہیں

دُرودوں کے ہدیے، نمازوں کے تحفے — نبوت کے دامن میں پائے گئے ہیں

ابھی عرش پر ہیں، ابھی فرش پر تھے — ذرا دیر میں آپ ﷺ آئے گئے ہیں

وہ علم و یقین ہوں کہ حسن و محبت — یہ سب ایک مرکز پہ لائے گئے ہیں

تجلی کی شدت، وہ جبروت ہیبت — نظر اور دل آزمائے گئے ہیں

زمیں پر ہیں زیرِ قدم لالہ و گل — فلک پر ستارے بچھائے گئے ہیں

ہے معراج ارض و سما آج ماہر — سجائے گئے جگمگائے گئے ہیں

(ماہر القادری)

معراج کی شب ایسے انوار نظر آئے
بے پردہ خدائی کے اسرار نظر آئے

تھا مسجدِ اقصیٰ میں جھرمٹ جو رسولوں کا
ان سب سے حسیں، میرے سرکارؐ نظر آئے

جبریل رکے، رک کر، کی عرض خدا حافظ
جب قربِ تجلی کے آثار نظر آئے

اب وقت و مکاں کی بھی تمیز نہیں باقی
رفرف کی بھلا کس کو رفتار نظر آئے

ہر گام پہ نظارہ آیاتِ الٰہی کا
فردوس بریں کے بھی گلزار نظر آئے

اے صلی علیٰ شرح آیاتِ شبِ اسریٰ
معنی کے نئے جلوے ہر بار نظر آئے

(ماہر القادری)

مرتبہ احسان

(محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

ایک حدیث مبارکہ جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں تشریف لائے اور صحابہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں سوالات کئے۔ احسان کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو ایسا نہ کر سکے تو پھر وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

یعنی مرتبہ احسان یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی دائمی حضوری نصیب ہو جائے۔ جب جبرائیل علیہ السلام چلے گئے تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے اور آپ لوگوں کو دین کے بارے میں بتانے آئے تھے۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی کہ دین کے تین اہم جزو ہیں اسلام، ایمان اور احسان۔ اس حدیث کو حدیث احسان کے نام سے پکارا جاتا ہے اور مرتبہ احسان کے حصول کے لئے دین کا جو شعبہ مدد دیتا ہے اس کا نام حکمت رکھ لیں چاہے اسے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کہہ لیں یا اسے تصوف کا نام دے لیں۔ لیکن اس کے حصول کی تمنا ہر مومن کو ہونی چاہیے۔ کیونکہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاًo

''اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اسی لئے پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون ''احسن'' عمل کرتا ہے۔'' (ملک۔2)

انسان کے لئے احسان کا اعلیٰ ہدف اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تو اس کے لئے مطلوبہ صلاحیتیں اور اسباب بھی مہیا فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo

''ہم نے انسان کو احسن تقویم یا صلاحیت سے پیدا کیا''(التین۔4)

صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُo

''اور تمہاری ظاہری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی احسن بنائیں اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے''۔(تغابن۔3)

اور قرآن کریم پر عمل کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْo

''اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کے احسن احکام کا اتباع کرو''(زمر۔55)

اس اتباع کی عملی صورت اور بہترین نمونہ کی طرف راہنمائی فرما دی کہ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌo (احزاب۔21)

''رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔''

اور اپنی محبت کے طالبوں کو حکم فرمایا۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَo

''حسن عمل کو اپناؤ۔ بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے''(بقرہ۔195)

اس راہ میں مسلسل جدوجہد اور محاسبہ درکار ہوتا ہے۔ جب حسن کامل کی آرزو ہو تو پھر فارغ کیسے بیٹھا جا سکتا ہے۔ خوب سے خوب تر کی جستجو میں اصلاح کا عمل آخر دم تک جاری رہتا ہے۔ بقول حضرت مولانا رومؒ:۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور خلق عظیم کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان وتقویٰ کے کتنے ہی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (مائدہ۔93)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔ جب کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے۔ پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا تو حسن عمل تک پہنچے۔ اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے''

یہ بلند مقام ہر کسی کے نصیب میں کہاں ہوتا ہے۔ لیکن محسنین ہی وہ بلند مرتبہ بزرگ ہیں جو تسلیم ورضا اور ترک ماسوا اللہ میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہو کر رہ جاتے اور اس کے قرب و دیدار کی آرزو میں جیتے ہیں۔ انہی کی شان میں آیا ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝

''اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انکو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے اور اللہ محسنین کے ساتھ ہے''۔ (عنکبوت۔69)

اور یہ بشارت بھی دی کہ

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝

''بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے'' (اعراف۔56)

ان کے لئے آخرت میں جنتیں بھی اعلیٰ درجہ کی ہوں گی۔ سورہ الرحمٰن میں بھی دو خصوصی باغوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے''۔

تین گروہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعے انسانوں کو حیات دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں بار بار آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی کو ترجیح دیں اور اس کے لئے توشہ جمع کریں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ o سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ o

''اور دنیا کی زندگی تو متاع غرور یعنی فریب ہے۔ تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے۔'' (الحدید۔21,20)

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ o (الذاریات۔ 50)

''پس تم لوگ اللہ کی طرف دوڑ پڑو۔ میں اس کی طرف سے تم کو صریح راستہ بتانے والا ہوں''

یہ ایک عام فہم سی بات ہے کہ زندگی کا کوئی سا بھی شعبہ یا جدوجہد کا میدان ہو ہم کارکردگی کے لحاظ سے انسانوں کو کم از کم تین درجات میں بانٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایمان و عمل کے لحاظ سے بھی تین گروہ بن جاتے ہیں۔ یہاں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بلکہ موت کے وقت تینوں قسم کے انسانوں کے لئے جانکنی کی کیفیت اور عالم برزخ میں استقبال بھی مختلف ہوگا۔ قرآن کریم میں بالعموم کفار اور مومنین کے دو گروہوں کا ذکر آتا ہے۔ لیکن چند مقامات پر اہل ایمان میں سے ان خاص لوگوں کو جو نیکیوں میں دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں تیسرا گروہ قرار دیا ہے اور اسے سابقون اور مقربون کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں ارشادات ملاحظہ ہوں۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ o (فاطر۔ 32)

''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے (۱) اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں (۲) اور کچھ میانہ رو ہیں (۳) اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی فضل کبیر ہے''۔

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً o فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِo وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ oوَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ oاُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَo فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِoثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَo وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَo

''قیامت کے روز تم تین قسم کے ہو جاؤ گے تو داہنے ہاتھ والے سبحان اللہ داہنے ہاتھ والے کیا ہیں اور بائیں ہاتھ والے افسوس بائیں ہاتھ والے کیا ہیں اور جو آگے بڑھنے والے ہیں ان کا کیا کہنا وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں۔ وہی اللہ کے مقرب ہیں۔ نعمت کے بہشتوں میں۔ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہونگے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے''(واقعہ۔7 تا 14)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ oوَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o

''وہ لوگ نیکیوں میں تیزی دکھاتے ہیں اور وہ ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق بولتی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔(مومنون۔62,61)

قرآن کریم میں بیان کئے گئے ان اعلیٰ درجات کے حصول کا نام ہی بزرگی اور فقیری ہے اور اسی غرض سے کسی مرد کامل کو مرشد اور راہنما بنایا جاتا ہے۔ ویسے یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام انسانوں کو فقیر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ(فاطر 15)

''اے لوگو تم سب اللہ کے فقیر یعنی محتاج ہو اور اللہ بے پروا اور سزاوارِ حمد ہے''۔

ہر مومن کو زندگی کی مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ کی محبت کے سفر میں پر جوش رہنا چاہئے اور وقت نہ ملنے کا بہانہ تو دنیا کی محبت میں گرفتاری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ وقت تو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے لیکن اس کا صحیح مصرف ہماری ذمہ داری ہے۔ تا کہ ہر آنے والا دن اللہ کی محبت اور قرب کے لحاظ سے کل سے بہتر ہو۔ کیونکہ ''جس مومن کے دو دن یکساں حالت میں گزریں وہ خسارے میں ہے''۔ (حدیث شریف) جو لوگ وقت کی قدر کرتے اور اللہ کے مقربین والی راہ اختیار کر کے مرتبہ احسان پر فائز ہو جاتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ملاحظہ فرمائیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ. رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا. ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ (توبہ۔100)

''اولین مہاجرین اور انصار میں سے جو دوسروں سے آگے نکل گئے اور جو مرتبہ احسان کے ساتھ ان کے پیچھے چلے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

بابا جانؒ سے پوچھا گیا کہ بعض دفعہ ہم دُعا میں بھی یہ کلمات کہتے ہیں اور لکھا بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب، لقاء، دیدار، عرفان، یا رویت باری تعالیٰ۔ انہیں الگ الگ کہا جاتا ہے۔ یہ کیا چیزیں ہیں؟ ان میں فرق کیا ہے آپس میں؟ ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں؟ لقاء، عرفان، دیدار، قرب، اور رویت؟

بابا جانؒ نے فرمایا: معرفت جو ہے وہ تو پہچان ہے کہ پہچان ہو جائے۔ تعریف اس کی! ۔کہتے ہیں کہ تعارف کرائیں بندے سے۔ وہ عرف ہے یعنی 'جاننا'۔ 'عرفان' یہ ہوتا ہے کہ پہچان ہو جائے اس کی۔ حقیقت نہ بھی ہو تب بھی اس کی پہچان ہو جائے۔ یہ بحر حال زیادہ ہے۔

یہ بجلی کی ایک صفت ہے جو ہمیں نظر آ رہی ہے۔ یہ انسان نے نہ دیکھی ہو تو کہے یہ بجلی ہے؟ یہ (بجلی) دیکھی ہے کبھی؟ پھر ایک اس کی صفت کا اظہار ہے۔ پہچان ہو جائے کہ یہ بجلی کے کام ہیں۔ ادھر گیزر لگا ہوا ہے، دیکھو یہ بھی، اور یہ فریزر ہے۔ یہ یخ ٹھنڈا بنا رہا ہے، یہ بجلی بنا رہی ہے ۔یہ ہیٹر لگا ہوا ہے تو یہ بھی بجلی ہے۔ یعنی اس کی صفات کا اظہار ہو جائے، اس کی پہچان ہو جائے کہ ایسی قوت ہے خفیہ جو تاروں کو کرتی ہے۔ کہیں گرم کرتی ہے۔ کوئی دوسری قسم کی تار ہو تو اسے روشن کر دیتی ہے۔ کہیں پر ٹھنڈک پیدا کرتی ہے۔ اور بھی کئی کام ہیں جو یہ کرتی ہے۔ 'بجلی' جو اس کی ذات ہے وہ نہیں دیکھی کہ کیا ہے؟ Elecrticity ہے کیا؟ اس کا نہیں پتا۔ یہ اس کی معرفت ہے کہ بجلی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ بٹن میں 'معرفت' ہے کہ ان کو آن کرتے ہیں تو یہ چل پڑتی ہے۔ یہ اس کا 'عرفان' ہے۔ اس کے اثرات جو ہیں یہ کیسے چل رہے ہیں، کیسے Use کر رہے ہیں،

وہ دیکھا جائے۔ بذات خود Elecricity جو ہے یہ نہیں دیکھی۔تو یہ معرفت ہے کہ پہچان ہوجائے کہ وہ (اللہ) کیسے کرتا ہے؟ اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں؟ معجزات۔۔۔

'لقاء'اور'دیدار'جو ہیں یہ دیکھنے میں ہیں کہ ملاقات ہوجائے۔ لقاء اللہ نصیباً۔ یہ دعاؤں میں بھی آتا ہے۔ خط میں بھی لکھتے ہیں کہ 'عندالقاء'۔ باقی ملاقات پر دیکھیں گے۔ جب ملیں گے تو باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ تو 'ملاقات' سے یہ 'لقاء' ہے۔ ہمارے بھی بیعت نامے میں 'لقاء' لکھا ہوا ہے۔ یہ معروف نہیں ہے۔ کسی نے شاید 'بقاء' لکھا ہے۔ کسی نے نقطہ ڈال دیا ہے، اسے 'بقاء' بنا دیا ہے لیکن یہ 'لقاء' ہے۔ قیامت کے دن آمنا سامنا ہوگا۔ اللہ میاں کے سامنے پیشی ہوگی۔ ملاقات ہوگی۔ وہ بھی 'لقاء' ہے۔ پورا کہا ہے۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِهِ أَحَداً ۔

(سورۃ الکھف ۱۸: آیت ۱۱۰)

جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں۔ جانا ہے۔ اس کا یقین ہے تو وہ دو چیزوں کا خیال رکھتے ہیں۔ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ۔ عمل صالح کرتے ہیں اور شرک نہیں کرتے۔ کسی بھی چیز کو اس کی بندگی میں شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس پر قائم رہیں اور عمل اچھے کریں تو انجام اچھا ہی ہوگا۔

'لقاء' اور 'دیدار' یہ مختلف زبانوں میں ہیں۔ 'دیدار' فارسی کا ہے اور 'لقاء' عربی کا ہے۔ 'رویت' بھی فارسی کا ہے۔ 'دیکھنا'۔ 'رویت'۔ چاند دیکھنے والی کمیٹی کو 'رویت ہلال کمیٹی' کہتے ہیں۔ وہ تو Language کا فرق ہے۔ اس کا مطلب 'دیکھنا' ہے۔ اس کی حقیقت کو۔ یہ معرفت جو ہے یہ پہچان کہ اس میں ہے کیا؟ بلب کوئی دیکھے تو Suddenly کہتے ہیں کہ بجلی چل رہی ہے۔ Trip ہوجائے تو کہتے ہیں کہ جا رہی ہے۔ اس کی پہچان ہوگئی لیکن یہ Electricity کے اثرات ہیں۔ دیکھیں سائنسدانوں نے خود بھی کہا ہے کہ بنیادی طور پر یہ ان سائنسدانوں کا کام نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کی حقیقت معلوم کریں کہ ان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم بجلی کی حقیقت نہیں جانتے کہ یہ کیسی ہے؟ Travel بھی کیسے کرتی ہے؟ تار کے اوپر اوپر چلتی ہے؟ اندر چلتی ہے؟

یا Particles جو ہیں یہ ایک دوسرے کو Discharge کرتے ہیں۔ یہ Convey کرتے ہیں یا یہ Flow کرتی ہے؟ یہ بھی نہیں پتا۔ انہیں (سائنسدانوں کو) اس کے اثرات کا پتا ہے اور ہم اسے Use کرتے ہیں۔ مشینیں چلتی ہیں۔ Magnet کا انہیں اثرات کا پتا ہے لیکن یہ ہے کیا؟ کیا چیز Exist کر رہی ہے؟ یہ نہیں پتا۔ وہ Claim بھی نہیں کرتے کہ ہمیں اس کی ماہیت کا پتا ہے کہ ہے کیا؟ انہیں اس کے اثرات کا پتا ہے اور انہوں نے اسے Use کرنا ہے فائدے کے لئے۔

باباجیؒ نے بھی لکھا ہے کہ اللہ کو دیکھنے کیلئے قلب میں ایک دوسری آنکھ پیدا ہوتی ہے۔ دل میں ایک ایٹم کے برابر سوراخ ہے، وہ کھُل جاتا ہے اور دوسرے عوالم سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ دل میں ایک نئی آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ کو دیکھ سکتی ہے۔ اس (آنکھ) سے نہیں۔ یہ (آنکھ) مادے کو دیکھنے کیلئے ہے۔ جب اس سے دیکھنا ہے تو اللہ بھی اپنی صفات کسی صفاتی مظاہر میں ظاہر کرتا ہے۔ آنکھ کے نور سے آگ کی صورت میں حضرت موسیٰؑ نے دیکھا۔ جب آنکھ کے نور سے دکھائی دے رہا ہے تو وہ ذات نہیں مگر اس نے کہا کہ میں اللہ ہی ہوں۔ جیسے تم دیکھ سکتے ہو، اس کے مطابق اس نے ظہور کیا دیکھنے والے کی صلاحیت کے مطابق تا کہ دیکھ سکے۔ باباجیؒ کہتے ہیں کہ جو دیکھتے ہیں ان کے پاس کوئی الفاظ نہیں ہیں کہ بیان کر سکیں۔

باباجانؒ (قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ) سے پوچھا گیا کہ جو کچھ دیکھتے ہیں، اس کی صداقت کی کوئی دلیل بھی ہے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کیلئے؟

باباجانؒ نے فرمایا: وہ خود ہی دلیل ہے اپنی۔ آفتاب آید دلیل آفتاب۔ جب سورج نکلتا ہے تو آپ ہی دلیل ہوتا ہے کہ میں نکل آیا ہوں۔ کوئی آ کے نہیں کہتا کہ سورج چڑھ آیا ہے۔ اس کا طلوع ہونا آپ ہی دلیل ہے۔ آگے ہر چیز روشن ہو گئی۔ خود دلیل کی اس کو ضرورت نہیں ہوتی نہ ہی وہ کوئی ایسی خواب و خیال والی بات ہے کہ خواب ہی چلتا رہے کہ کیا پتا۔ ایسا ویسا نہیں ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: سیّد رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 02-10-2000

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ!

آپ کا خط ملا، حالات و کیفیات سے آگاہی ہوئی۔الحمد اللہ آپ اُستاد بن گئے۔ موجودہ حالت میں یہ بھی غنیمت ہے۔مٹھائی بس مٹھائی ہے اور ضرور ہونی چاہیے۔آپ کے دل کی خوشی ہے جیسے چاہے اور جہاں چاہیں کھلادیں۔جو بھی آئے گی سب مل کر کھالیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اچھی اور اعلیٰ ملازمت کا انتظام فرمائے۔آمین!

اصلاح کا کام بہت ہی صبر آزما اور مشکل ہوتا ہے۔یہ تو اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور قبلہ حضرت بانیِ سلسلہؒ کے فیض کے صدقے روحانی قوت کی برکت سے سہولت میّسر آگئی ہے۔اچھے اچھے سارے بھائیوں کو دعوت و اصلاح کا کام ضرور کرتے رہنا چاہئے۔ ورنہ نہ تو انہیں اپنی روحانیت پر اعتماد حاصل ہوگا اور نہ ہی توحیدیہ مشن کی تکمیل ہو پائے گی۔ ہماری طرف سے کوشش اور سعی میں کمی نہیں ہونی چاہئے نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ خلوص سے کام کرنے والے بندوں کو ضرور اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔

بھائی عاشق حسنین شاہ صاحب کی کوشش اللہ کے فضل سے ضرور رنگ لائے گی۔

7 اکتوبر کا پروگرام تو نزدیک والے حلقوں کیلئے بنایا گیا ہے۔بہر حال اہل شوق کیلئے پابندی بھی نہیں ہے۔ضرور آئیں اور بھرپور فیض اُٹھائیں۔

میں 21 ستمبر کو جڑانوالہ گیا تھا۔شیخ اسلم صاحب مجھے وہاں چھوڑ کر آگئے تھے۔الحمدللہ وہاں نیا حلقہ بنا ہے اور اللہ کے فضل سے خوب ترقی کریگا۔وہاں ہمارے بھائی اذن علی شاہ صاحب ہیں۔نو آمدہ بھائی شفیق احمد صاحب بڑے فعال ہیں انشاءاللہ خوب ترقی کریں گے۔ تمام برادران حلقہ کو میرا سلام کہہ دیں۔گھر میں سب کو سلام۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ ! 29-08-2001

جب فرصت کا ٹائم ہو، اسے غنیمت جانو اور پاس انفاس خوب زوردار طریقے سے کرو پرانے لوہار لوگ آگ کو دہکانے کیلئے دھونکنی استعمال کیا کرتے تھے۔آج کل بھی برتن قلعی کرنے والے کہیں کہیں یہ استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔یہ چمڑے کا بنا ہوا ایک تھیلا سا ہوتا ہے۔ جس کا منہ کھول کر اس میں ہوا بھر لیتے ہیں اور پھر اس بیگ کو دباتے ہیں تو دوسرے سرے پر لگی ہوئی پائپ سے زوردار ہوا کوئلوں کو پہنچتی ہے۔جب اسے استعمال کرتے ہیں تو ہوا کے زور کی وجہ سے ہوا کی شُوکر خوب سنائی دیتی ہے۔ایک مرتبہ قبلہ حضرت بانیٔ سلسلہؒ اپنے ذکر کی بات کر رہے تھے تو فرمایا: اُن دنوں ہم خوب ذکر کرتے تھے اور پاس انفاس تو دھونکنی کی طرح چلتا تھا۔'' یعنی زوردار طریقے سے کرتے تھے اور ہر سانس کی آواز کانوں سے سنتے تھے۔یہ سب کچھ باباجیؒ کی بات سے یاد آ گیا۔مقصد یہ ہے کہ خوب شُوکا شا کی کے ساتھ پاس انفاس مستی میں جھوم کر کیے جاؤ۔ساتھ ساتھ قرآن کریم کی باترجمہ تلاوت بھی کثرت سے کرتے رہو۔

اللہ کرے شجاع آباد میں مضبوط حلقہ بن جائے۔نوید اعظم صاحب الحمدللہ پکا اور محنتی آدمی ہے۔انشاءاللہ خوب ترقی کرے گا۔فی الحال سوڑی اور شجاع آباد کا حلقہ جیسے چل رہا ہے ، چلائیں۔اور حلقہ ذکر خود کرائیں۔ذکر بلند آواز اور خوب جوش وخروش سے ہونا چاہیے، اس سے نئے لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔انشاءاللہ جب ملتان آؤنگا تو بھائیوں کے ساتھ مشاورت کے بعد مناسب انتظامی تبدلیاں کی جائیں گی۔آپ خود زیادہ محنت کریں گے تو دوسروں کی بھی اصلاح ہوگی۔

حلقہ ذکر کے بعد نئے احباب سے خوب کھل کر گفتگو اور گپ شپ ہونی چاہیے اور بھائیوں کو چاہیے کہ ویسے بھی ایک دوسرے سے رابطہ رکھا کریں اور میل ملاقات کرتے رہیں۔ روزانہ ذکر کی پابندی کیلئے نئے بھائیوں کو تاکید کرتے رہیں۔

اپنے گھروں کو بچائیے!

(مولانا محمد تقی عثمانی)

زمانہ اس تیزی سے بدل رہا ہے کہ جس انقلاب کو پہلے ایک طویل مدّت درکار ہوتی تھی اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رُونما ہوجاتا ہے۔ آج کے ماحول کا، زیادہ نہیں، پندرہ بیس سال پہلے وقت سے موازنہ کرکے دیکھئے، زندگی کے ہر شعبے میں کایا پلٹی ہوئی نظر آئے گی، لوگوں کے افکار وخیالات، سوچنے سمجھنے کے انداز، معمولاتِ زندگی، معاشرت، رہن سہن کے طریقے، باہمی تعلقات، غرض زندگی کے ہر گوشے میں ایسا انقلاب برپا ہوگیا ہے کہ بعض اوقات سوچنے سے حیرت ہوجاتی ہے۔

کاش! یہ برق رفتاری کسی صحیح سمت ہوتی تو آج یقیناً ہماری قوم کے دن پھر چکے ہوتے ،لیکن حسرت، افسوس اور ناقابلِ بیان افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ساری برق رفتاری اُلٹی سمت میں ہورہی ہے۔ اس بات کو کب اور کس کس عنوان سے کہا جائے کہ پاکستان اسلام کیلئے بنا تھا، اس لئے بنا تھا کہ یہاں کے باشندے احکامِ الٰہی کا عملی پیکر بن کر دُنیا بھر کیلئے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کریں، لیکن ہماری ساری تیز رفتاری اس کے بالکل مخالف سمت میں صرف ہوتی رہی اور آج تک ہورہی ہے۔ جن گھروں سے کبھی کبھی تلاوتِ قرآن کی آوازیں آیا کرتی تھیں، اب وہاں صرف فلمی نغمے گونجتے ہیں، جہاں کبھی اللہ ورسول ﷺ اور اسلافِ اُمت کی باتیں ہوا کرتی تھیں، اب وہاں باپ بیٹوں کے درمیان بھی ٹی وی فلموں پر تبصرے ہی زیرِ بحث رہتے ہیں، جن گھرانوں میں کبھی کسی اجنبی عورت کی تصویر کا داخلہ محال تھا، اب وہاں باپ بیٹیاں اور بہن بھائی ایک ساتھ بیٹھ کر نیم برہنہ رقص دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، جن خاندانوں میں

کبھی حرام آمدنی سے آگ کے انگاروں کی طرح پرہیز کیا جاتا تھا، اب وہاں نسلیں سود، رشوت اور قمار سے پروان چڑھ رہی ہیں، جو خواتین پہلے برقعہ کے ساتھ باہر نکلتی ہوئی ہچکچاتی تھیں، اب وہ دوپٹے تک کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں۔غرض اسلامی احکام سے عملی اعراض اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مستقبل کا تصوّر کر کے بعض اوقات روح کانپ اُٹھتی ہے۔

اس تشویشناک صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں، لیکن اس وقت صرف ایک سبب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو لوگ دین دار سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح وتربیت سے بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔اگر آپ اپنے گردو پیش کا جائزہ لیں تو ایسی کئی مثالیں آپ کو نظر آجائیں گی کہ ایک سربراہ خاندان اپنی ذات میں بڑا نیک اور دین دار انسان ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، گناہوں سے پرہیز کرتا ہے، اور اچھی خاصی دینی معلومات رکھتا ہے، لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالیں تو ان میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خوردبین لگا کر بھی نظر نہیں آتی۔مذہب، اللہ، رسول ﷺ، قیامت اور آخرت جیسی چیزیں سوچ بچار کے موضوعات سے خارج ہو چکی ہیں، ان کی بڑی سے بڑی عنایت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرزِ عمل کو گوارا کر لیتے ہیں، اس سے نفرت نہیں کرتے۔

بلاشبہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اولاد کی ہدایت ماں باپ کے ہاتھ میں نہیں ہے، نوحؑ کے گھر میں بھی کنعان پیدا ہو جاتا ہے۔لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے، اگر کوشش کے باوجود راہ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے۔لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی دلی توجہ نہیں کرتا، اور اس نے اپنے تئیں دین پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو

حالات کے دھارے پر بے فکری سے بہتا چھوڑ دیا ہے، تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بری نہیں ہے، اس کی مثال بالکل اس احمق کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھے اور یہ کہہ کر الگ ہوجائے کہ جوان بیٹا اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

کنعان بلاشبہ حضرت نوحؑ ہی کا بیٹا تھا، اور آخر دم تک اس کی اصلاح نہ ہوسکی، لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس جلیل القدر باپ نے اسے راہِ راست پر لانے کیلئے کیا کیا جتن کئے؟ کس کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اسے تبلیغ کی؟ اس کے بعد بھی اس نے اپنے لئے سفینۂ ہدایت کے بجائے کفر و ضلالت کی موجیں ہی منتخب کیں، بے شک حضرت نوحؑ اس کی ذمہ داری سے بَری ہوگئے لیکن کیا آج کوئی ہے جو اپنی اولاد کی اصلاح کیلئے فکر و عمل کی اتنی توانائیاں صرف کر رہا ہو؟

قرآن کریم نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی، بلکہ اپنے گھر والوں، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب اپنے اہل خاندان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش بھی اس پر ڈالی ہے، سرورِ کائنات محمد ﷺ سے زیادہ احکام الٰہی پر کاربند کون ہوگا؟ لیکن آپ ﷺ پر بھی نبوت کے بعد جو سب سے پہلا تبلیغی حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ۲۱۴)

ترجمہ: ''اور آپ (ﷺ) اپنے قریبی اہل خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایئے۔''

چنانچہ اسی حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے اہل خاندان کو کھانے پر جمع فرمایا اور کھانے کے بعد ایک مؤثر خطبہ دیا:

''میں تمہارے پاس دُنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں، تم میں سے کون ہے، جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے۔''

آنحضرت ﷺ اورتمام انبیاء کی سنت یہی رہی ہے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا، اور خود احکامِ الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی ۔حضرت یعقوبؑ نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کر کے جو وصیّت فرمائی اس کا تذکرہ قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:

ترجمہ:جب (یعقوبؑ نے) اپنے بیٹوں سے کہا کہ:

تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس ذاتِ اقدس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباؤاجداد ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ پرستش کرتے آئے ہیں،یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے،اور ہم اسی کی اطاعت پر(قائم)رہیں گے۔''البقرہ:۱۳۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام دُعا فرماتے ہیں:

ترجمہ: '' اے میرے پروردگار !مجھے بھی نماز کا پابند بنائیے اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے پروردگار! میری دُعا قبول کر لیجئے۔''

انبیاء علیہم السلام کی ایسی بہت سی دُعائیں منقول ہیں،جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہلِ خاندان کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذابِ الٰہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کی ہے،ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ٥ (التحریم:٦)

ترجمہ: ''اے اہلِ ایمان! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ کی آیت:۱۳۲میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔''

ایک مسلمان کے ذمہ صرف اپنی ذات کی دینی اصلاح ہی نہیں ہے، بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی دینی تربیت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔درحقیقت اس کے بغیر انسان کا خود دین پر ٹھیک ٹھیک کاربند رہنا ممکن بھی نہیں ہے۔اگر کسی شخص کا سارا گھریلو ماحول دین سے بےزار اور خدا نا آشنا ہو تو خواہ وہ اپنی ذات میں کتنا دین دار کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا، اس لئے خود اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر رکھنے کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے گردوپیش کو فکروعمل کے اعتبار سے اپنا ہم مشرب بنایا جائے۔

آج ہمارے بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اس فریضے سے یکسر غافل ہو چکے ہیں بڑے بڑے دین دار گھرانوں میں نئی نسل کی دینی تربیت بالکل خارج از بحث ہوگئی ہے، اور لوگ حالات کے آگے سپر ڈال کر اپنی اولاد کو زمانے کے بہاؤ پر چھوڑ چکے ہیں۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے اہل خانہ کو دینی رنگ میں رنگنے کی بڑی کوشش کی لیکن زمانے کی ہوا ہی ایسی ہے کہ ہمارے وعظ ونصیحت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا، مگر بعض اوقات یہ خیال شیطان کے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی لگن، کتنے اضطراب اور کتنی دِل سوزی کے ساتھ یہ کوششیں کی ہیں؟ اگر آپ کی اولاد جسمانی طور پر بیمار ہوجائے اس کا کوئی عضو آگ میں جلنے لگے تو آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کرتے ہیں؟ اور یہ تڑپ آپ سے کیسے کیسے مشکل کام کرالیتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اپنی اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر بھی آپ نے اتنی تڑپ محسوس کی ہے؟ اگر واقعتاً اولاد کی دینی اور اخلاقی تباہی کو دیکھ کر آپ میں اتنی ہی تڑپ پیدا ہوئی ہے جتنی اسے بیماری میں دیکھ کر ہوتی ہے، اور آپ نے اسے دینی تباہی سے بچانے کی ایسی ہی کوشش کی ہے جتنی جسمانی ہلاکت سے بچانے کیلئے کرتے ہیں، تو بلاشبہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کردیا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اتنی لگن، ایسے جذبے اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی سی آگ اپنے بچے کے قریب دیکھ کر آپ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں، اور جہنم کی ابدی آگ جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں اسے آپ اپنی اولاد کے سامنے منہ کھولے دیکھتے ہیں، مگر آپ کی محبت وشفقت کوئی جوش نہیں مارتی؟ اگر آپ اپنے ننھے سے بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دیکھ لیتے ہیں تو اس کے رونے دھونے کی پروا کئے بغیر جب تک اس کے ہاتھ سے وہ پستول چھین نہ لیں، چین سے نہیں بیٹھ سکتے، لیکن کیا وجہ ہے کہ جب وہی اولاد آپ کو دینی تباہی کے آخری سرے پر نظر آتی ہے تو آپ صرف ایک دو مرتبہ زبانی وعظ ونصیحت کرکے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فرض ادا کردیا؟

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی مؤثر تدبیریں سوچی ہیں؟ جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کیلئے روزگار تلاش کرتے ہیں، کیا اتنی لگن کے ساتھ اس کی تربیت کے راستے تلاش کئے ہیں؟ جس دل سوزی سے آپ ان کی صحت کیلئے دُعائیں کرتے ہیں، اسی طرح آپ نے ان کیلئے اللہ سے صراطِ مستقیم طلب کی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی کام آپ نے نہیں کیا تو آپ کو اپنے اہلِ خانہ کی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

نئی نسل جس برق رفتاری کے ساتھ فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کا پہلا مؤثر علاج خود ہمارے گھروں میں ہونا چاہئے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے گھر کی اصلاح کا خاطر خواہ جذبہ، اس کی سچی لگن اور اسکی حقیقی تڑپ پیدا ہو جائے تو یقین کیجئے کہ آدھی سے زائد قوم خود بخود سدھر سکتی ہے۔

اگر کوئی "دین دار" شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری اولاد اللہ سے دوری کی راہ پر چل رہی ہے،

حقیقت میں اس کیلئے وہی راہ درست ہے اور ہم نے اپنے گرد مذہب و اخلاق کے بندھن باندھ کر غلطی کی تھی تو ایسے "دیندار" کے حق میں تو دُنیا و آخرت دونوں کے خسارے پر ماتم کرنے کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین، دینِ برحق ہے، اور مرنے کے بعد جزا و سزا کے مراحل پیش آنے والے ہیں تو پھر خدا کیلئے اپنی اولاد کو بھی اس جزا و سزا کے دن کے واسطے تیار کیجئے، اسے ضروری دینی تعلیم دلوایئے، اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو، اس کی صحبت اور اس کا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجئے، اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن اور اسلافِ اُمت کے تذکروں سے آباد کیجئے۔ گھر میں کوئی ایسا وقت نکالئے جس میں سارے گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں، اپنے ذاتی عمل کو ایسا دل کش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرے، اپنے اہل و عیال اور احباب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی محنت اور کوشش میں برکت دی ہے، اور دین کی دعوت و تبلیغ میں جو محنت کی جائے اس کی کامیابی کا خصوصی وعدہ کیا گیا ہے، اس لئے ناممکن ہے کہ اپنے گھر کی اصلاح کی یہ کوشش بالکل بار آور نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وقت

(محمد فیصل خان)

وقت کا خیال آتے ہی گھڑی کی ٹک ٹک، سورج، چاند، دیگر سیارے اور ہماری زمین کی گردش کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ ہم اپنی گزشتہ زندگی کو ذہن میں چند لمحوں میں تازہ کر سکتے ہیں جو کئی دہائیوں پر محیط ہے۔ اس وقت تمام چیزیں گردش میں ہیں۔ زمین اور دیگر سیارے سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ ایٹم کے اندر یہ حرکت نہایت چھوٹے لیول پر ہوتی ہے جس میں الیکٹران نیوکلیس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ جب قیامت واقع ہوگی تو یہ حرکت روک دی جائے گی گردش کے رک جانے سے اشیاء کی اصل اشکال ہمارے سامنے ہونگی۔ قیامت کے معنی ہی رک جانے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا اور اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ (سورہ لقمان 29)۔

عالم امر کے یا اللہ کے وقت میں اور ہمارے وقت میں فرق ہے۔ اللہ کے نزدیک ایک دن ہمارے ایک ہزار سال پر محیط ہے ارشاد ہے۔

"وہ اللہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے ہر امر اسی کے حضور میں پہنچ جائے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے موافق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ (السجدہ 5)۔ جنت میں وقت Constant (مستقل نہ بدلنے والا) ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی اس کا پھل اور سایہ دائمی رہے گا۔ (الرعد 35)

حضور اقدس ﷺ سے ایک مرتبہ بوڑھی عورت نے پوچھا کہ کیا بوڑھے لوگ جنت میں جائیں گے تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بوڑھے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے وہ عورت

پریشان ہونے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں تمام لوگوں کی عمریں 40 برس کی ہونگی۔

مندرجہ ذیل آیات سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے۔

"اور جو لوگ ایمان لے آئے اور پھر اچھے کام کئے ہم عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہے"۔(النساء 122)

"اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مومنات سے ایسی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ جنت عدن میں ہونگے اور اللہ کی رضا بڑی چیز ہے۔ یہ بڑی کامیابی ہے"۔(التوبہ 76)

یہ بات تو طے ہے کہ ہماری اُخروی زندگی جاوداں ہے۔ ہمیں اس دنیا میں ایک مقررہ وقت دے کر بھیجا گیا ہے اس میں ہمارا امتحان ہے کہ ہم یہ وقت مولا مرضی کے مطابق گزارتے ہیں یا من مرضی کے مطابق اگر تو اللہ کے حکم کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں تو دنیا کی زندگی بھی اچھی گزر جائے گی اور آخرت میں جنت اور اللہ کی رضا ملے گی۔ دوسری صورت میں اللہ کی ناراضگی اور جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے"۔(النحل 30)

اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق کے مقصد کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا:

" کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا"۔(الذاریات 56)

"جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے"۔(الملک 2)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحب اختیار بنا کر اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دے کر اس جہان میں بھیجا ہے۔ بتا دیا گیا ہے کہ کیا کرنا ہے اکثر لوگ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ وقت نہیں ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو ہمارے پاس وقت ہی تو ہے جب پورا ہو جائے گا تو روح قبض کرنے والے آ جائیں گے۔ارشاد ہوا کہ

"جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ۔ فرشتے کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب"۔ (النحل 32)

قرآن ان لوگوں کے بارے میں بتاتا ہے جو دنیا کی زندگی میں دیا گیا وقت ضائع کردیں گے ان کا انجام کیا ہوگا ارشاد ہوا:

"اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آ پڑے گا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو اور مہلت دیجئے ہم آپ کا کہنا مانیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے۔ارشاد ہوگا کہ تم نے اس سے قبل قسمیں نہ کھائیں تھیں"۔(ابراھیم 44)

اللہ تعالٰی نے وقت کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ

"قسم ہے وقت کی انسان خسارے میں ہے"۔(العصر)

انسانوں سے اللہ کی طرف سے عبادت اور بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے ۔عبادت اور بندگی کیسے کرنی ہے اس کے بارے میں بھی کریم رب نے ہماری رہنمائی کردی ہے۔

"تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات بہترین نمونہ ہے"۔

اگر تم کو میری محبت چاہیے تو میرے رسول ﷺ کی اتباع کرو ۔(آل عمران 31)

ہم نے حضور اقدس ﷺ کی اتباع کرنی ہے ۔ان کے پیچھے چلنا ہے ۔آپ ﷺ نے نوکری، تجارت، گھرداری، تبلیغ اور بادشاہت کی ۔آپ ﷺ کی ذات قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ اللہ نے جو احکام قرآن میں بتائے آپ ﷺ اس کا عملی نمونہ تھے ۔مسلمان ہونے کی حیثیت سے زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں حضور اقدس ﷺ کی اتباع کرنی ہے ۔اسی طرح ہی ہماری دنیا و آخرت دونوں کامیاب ہو جائیں گے۔

زہد الریاض میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا ملک الموت سے بھائی چارہ تھا۔ایک دن

ملک الموت حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تم ملاقات کے لئے آئے ہو یا روح قبض کرنے کو؟ عزرائیل نے کہا: صرف ملاقات کیلئے آیا ہوں ۔یعقوبؑ نے فرمایا: جب میری موت قریب آ جائے اور تم روح قبض کرنے کو آنے والے ہوتو مجھے پہلے آگاہ کر دینا۔ملک الموت نے کہا بہتر میں اپنی آمد سے پہلے آپ کے پاس دو تین قاصد بھیجوں گا جب حضرت یعقوبؑ کا آخری وقت آیا اور ملک الموت روح قبض کرنے کو پہنچے تو آپ نے کہا تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ آمد سے پہلے قاصد بھیجو گے۔عزرائیل نے کہا میں نے ایسا ہی کہا تھا۔پہلے تو آپ کے سیاہ بال سفید ہوئے ، یہ پہلا قاصد تھا، پھر بدن کی چستی و توانائی ختم ہوئی یہ دوسرا قاصد تھا اور بعد میں آپ کا بدن جھک گیا یہ تیسرا قاصد تھا۔اے یعقوبؑ ہر انسان کے پاس میرے یہی تین قاصد آتے ہیں۔

مضٰی الدھر والایام والذنب حاصل رجاء رسول الموت والقلب غافل

یعمل فی الدنیا غرور وحسرۃ وعیشک فی الدنیا محال و باطل

"زمانہ گزر گیا اور گناہوں کو چھوڑ گیا،موت کا قاصد آ پہنچا اور دل غافل ہی رہا۔دنیا کی چیزیں دھوکہ اور فریب ہیں اور ہمیشہ دنیا میں رہنا محال اور کذب محض ہے"۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عرش الٰہی کے پائے پر لکھا ہے جو میری اطاعت کرے گا میں اس کی بات مانوں گا جو مجھ سے محبت کرے گا میں اسے اپنا محبوب بنا لوں گا۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی موت کے وقت مسلمہ بن عبدالمالک نے آ کر کہا امیر المومنین آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے حکمرانوں نے نہیں کیا۔آپ اپنی اولاد کو تنگ دست چھوڑ کر جا رہے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تیرہ بچے تھے۔آپؒ نے فرمایا تم نے یہ کہا ہے کہ میں نے ان کیلئے مال و دولت نہیں چھوڑی ہے۔میں نے کبھی ان کا حق نہیں روکا اور نہ کبھی انہیں دوسروں کا حق دیا ہے اگر یہ اطاعت گزار رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی ضرورتیں پوری کر دے گا۔وہی نیکوں کا سرپرست ہے۔اگر یہ بدکار نکلے تو مجھے ان کی پرواہ نہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کو میزان کے سامنے

کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ مقرر ہو گا اگر اس کی نیکیاں بھاری ہو گئیں تو فرشتہ بلند آواز سے کہے گا کہ فلاں نے ابدی سعادت حاصل کر لی ہے اور اسے کبھی بد بختی سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ اور اگر اس کی برائیاں زیادہ ہو گئیں تو فرشتہ پکارے گا کہ فلاں نے ابدی بد بختی پالی۔

حدیث پاک میں ہے کہ محشر میں بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہلیں گے جب تک ان باتوں کے بارے میں پوچھا نہ جائے گا۔

1- عمر کتنی ہوئی اور کیسے گزاری؟۔

2- علم کتنا حاصل کیا اور کہاں تک اس پر عمل کیا؟

3- دولت کتنی کمائی، کیسے کمائی اور کہاں خرچ کی؟۔(ترمذی شریف)

دنیا کے کام بھی کرنے ہیں مگر دنیا سے محبت نہیں کرنی۔ اس میں غرق نہیں ہونا۔ اس کو فوقیت نہیں دینی۔ فوقیت اللہ کی ذات کو دینی ہے۔ دنیا کی خاطر آخرت کو خراب اور رب کو ناراض نہیں کرنا۔ دنیاداری بھی کرنی ہے مگر جیسے حضور ﷺ نے کی۔ اسلام میں ترک دنیا کی ممانعت ہے اسلام تو قیامت تک کیلئے ہے۔ اللہ نے دنیا انسان کیلئے بنائی ہے اور انسان کو اپنی محبت و معرفت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کو یہ پسند نہیں کہ انسان دنیا میں ڈوب کر اللہ کو فراموش کر دے جو ایسا کریگا وہ اللہ کے حضور مجرم ہے۔

مرد بن غافل نہ ہو، ذکر خدا سے پیار رکھ

ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

ابھی ہمارے پاس وقت ہے ہم دارالعمل میں ہیں۔ زندہ لوگوں پر توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو لوگ گزر گئے اور دار جزا میں چلے گئے ان کیلئے بخشش کی دعا کرنی چاہیے اور ہمیشگی والی زندگی کی تیاری میں مصروف عمل رہنا چاہیے۔ کیونکہ وقت سب کو ملتا ہے زندگی بدلنے کیلئے لیکن زندگی دوبارہ نہیں ملتی وقت بدلنے کیلئے۔

انسان دیکھے کہ کل کیلئے کیا آگے بھیجا۔(الحشر 18)

توبہ! گناہوں کا تریاق

(پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا تو اس کے اندر یعنی دل میں گناہ کا بھی تقاضا پیدا کیا اور تقویٰ کا تقاضا بھی پیدا کیا، اسی میں امتحان ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نفس اور شیطان دو زہریلی چیزیں پیدا کیں جو انسان کو پریشان اور خراب کرتی ہیں، اور جہنم کے عذاب کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسی طرح ان دونوں کا تریاق بھی بڑا زبردست پیدا فرمایا، اور وہ تریاق ہے "استغفار اور توبہ"۔

جب حضرت آدمؑ کو جنت میں بھیجا گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ پوری جنت میں جہاں چاہو جاؤ، جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا یا اس درخت کو مت کھانا، اس کے بعد شیطان نے حضرت آدمؑ کو بہکایا جس کے نتیجے میں انہوں نے اس درخت کو کھا لیا۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ غلطی کرنے کے بعد ان کے اندر پریشانی اور شرمندگی پیدا ہوئی کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند کلمات "توبہ" سکھائے اور فرمایا یہ کہو۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْن

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ کلمات استغفار کہنے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی

توبہ تین چیزوں کا مجموعہ:

عام طور پر دو لفظ گناہوں کی معافی کے لیے استعمال ہوتے ہیں، ایک استغفار

دوسرا توبہ۔اس میں اصل توبہ ہےاور ''استغفار'' اس توبہ کی طرف جانے کا راستہ ہےاور یہ توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔جب تک یہ تینوں چیزیں جمع نہ ہوں اس وقت تک توبہ کامل نہیں ہوتی۔

۱)ایک یہ کہ گناہ صادر ہونے کے بعد شرمندگی وندامت ہو

۲)دوسرا یہ کہ جو گناہ سرزد ہوا اس کو فی الفور چھوڑ دے۔

۳)تیسرا یہ کہ آئندہ نہ کرنے کا عزم صمیم کرے۔

جب تینوں چیزیں جمع ہو جائیں تو توبہ مکمل ہو جاتی ہے اور جب توبہ کر لی تو وہ توبہ کرنے والا شخص گناہ سے بالکل پاک ہو گیا۔

حدیث پاک میں ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له

یعنی جس نے گناہ سے توبہ کرلی، وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

نہ صرف یہ کہ اس کی توبہ قبول کر لی اور نامہ اعمال کے اندر یہ لکھ دیا کہ اس نے فلاں گناہ کیا تھا وہ گناہ معاف کر دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم دیکھیے کہ توبہ کرنے والے کے نامہ اعمال ہی سے وہ گناہ مٹا دیتے ہیں اور آخرت میں اس گناہ کا ذکر فکر نہیں ہوگا کہ اس بندہ نے فلاں وقت فلاں گناہ کیا تھا

<u>توبہ، توبہ، بار بار توبہ:</u>

للہ تعالیٰ کی رحمت کا عالم یہ ہے کہ بندہ کو گناہ کے بعد مہلت دیتے ہیں کہ وہ گناہ سے توبہ کر لے۔معافی مانگ لے تا کہ اس کے نامہ اعمال میں لکھنا ہی نہ پڑے لیکن کوئی شخص توبہ نہ کرے تو پھر لکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے لکھنے کے بعد بھی مرتے دم تک دروازہ کھلا ہے کہ جب چاہو توبہ کر لو، اس کو اپنے نامہ اعمال سے مٹوا لو۔ایک مرتبہ جب سچے دل سے توبہ کر لو گے تو وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دیا جائے گا جب تک کہ نزع کی حالت یا غرغرہ کی حالت طاری نہ ہو اس وقت تک دروازہ کھلا ہے۔

رات کو سونے سے قبل توبہ کر لیا کرو۔بزرگ فرماتے ہیں کہ دین بہت آسان ہے لوگ

اسے مشکل گردانتے ہیں۔ ارے یہ دین کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ بس رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلیا کرو۔ بس یہی دین ہے۔

توبہ میں عزم صمیم کی وضاحت: آج کی نوجوان نسل کے اندر گناہوں کے خلاف نفرت موجود ہے اور وہ تائب بھی ہونا چاہتی ہے لیکن توبہ کی پہلی دو شرطوں کو تو آسان سمجھتے ہوئے سیدھے راستہ پر آنا چاہتے ہیں لیکن تیسری شرط کہ پختہ عزم کرنا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا یہ بڑا مشکل نظر آتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پختہ عزم صحیح ہوا یا نہیں؟ اور جب عزم صحیح نہیں ہوا تو توبہ بھی صحیح نہیں ہوئی۔ جب توبہ صحیح نہیں ہوئی تو اس گناہ کے باقی رہنے اور اس کے معاف نہ ہونے کی پریشانی رہتی ہے۔

بزرگ لکھتے ہیں عزم کا مطلب ہے اپنی طرف سے یہ ارادہ کہ آئندہ یہ گناہ نہ کروں گا۔ اب اگر ارادہ کرتے وقت دل میں یہ دھڑکا اور اندیشہ لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں، میں اس عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں؟ تو یہ اندیشہ اور دھڑکا اس عزم کے منافی نہیں۔ اس اندیشے اور خطرے کی وجہ سے توبہ میں کوئی نقص نہیں آتا بشرطیکہ اپنی طرف سے پختہ ارادہ کرلیا ہو۔ اور ساتھ ساتھ دعا بھی کرتا رہے اے اللہ میں کمزور ہوں، معلوم نہیں کہ عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں، تو ہی مجھے ثابت قدم فرما اور مجھے اپنے عزم پر قائم رکھ۔ جب یہ دعا کرلی تو انشاء اللہ وہ خطرہ اور اندیشہ زائل ہوجائے گا۔

استغفار: توبہ کے اندر تین چیزیں شرط ہیں، ان کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی۔ دوسری چیز ''استغفار'' یہ استغفار توبہ کے مقابلے میں عام ہے۔ استغفار کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگنا اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ استغفار کے اندر یہ تین شرطیں نہیں بلکہ استغفار ہر انسان ہر حالت میں کرسکتا ہے، جب کوئی غلطی ہو جائے یا دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو جائے یا

عبادت میں کمی، کوتاہی ہو جائے، یا کسی بھی طرح کی غلطی سرزد ہو جائے تو استغفار کرے اور کہے کہ

استغفراللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیه

ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا

ترجمہ: جو شخص استغفار کرے وہ اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا۔

استغفار ہر حال میں کرتے رہنا چاہیے، اگر کسی گناہ کے چھوڑنے پر قدرت نہیں ہو رہی ہے تب بھی استغفار نہ چھوڑے۔ بعض بزرگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ جس زمین پر گناہ اور غلطی سرزد ہوئی ہے اسی زمین پر استغفار کرلے تا کہ جس وقت وہ زمین گناہ کی گواہی دے اس کے ساتھ وہ تمہارے استغفار کی بھی گواہی دے کہ اس بندے نے ہمارے سامنے استغفار بھی کرلیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (حضور اقدس ﷺ کو جب کوئی بات زور دے کر تاکید اور اہتمام کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہوتی تو قسم کھا کر وہ بات بیان فرماتے، اور قسم بھی ان الفاظ کی فرماتے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) اگر تم بالکل گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا وجود ختم کر دیں اور ایسے لوگوں کو پیدا کریں جو گناہ کریں اور پھر استغفار کریں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت پیدا کی اگر گناہ کرنے کی صلاحیت موجود نہ ہوتو انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی پھر تو فرشتے کافی تھے

خاص نصیحت: یاد رکھو، گناہ پر کبھی جرات نہیں کرنی چاہیے لیکن اگر گناہ ہو جائے تو پھر مایوس بھی نہ ہونا چاہیے۔ مایوسی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ اور استغفار کے راستے اسی لیے رکھے ہیں تا کہ انسان مایوس نہ ہو۔

تکمیلِ توبہ: گناہوں سے استغفار کرنا ہر انسان پر فرض عین ہے۔ کوئی انسان اس سے

مستثنیٰ نہیں ۔ ہرانسان اپنے سابقہ گناہوں سے استغفار کرے یہی وجہ ہے کہ تصوف اور طریقت میں سب سے پہلا قدم ''تکمیل توبہ'' ہے ۔ اگلے تمام درجات تکمیل توبہ پر موقوف ہیں ۔ جب تک توبہ کی تکمیل نہیں ہوگی آگے کچھ نہیں ہوگا ۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنی اصلاح کے لیے کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے یا تو وہ بزرگ سب سے پہلے توبہ کی تکمیل کراتے ہیں ۔ شیخ یا بزرگ کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے وہ بھی درحقیقت توبہ ہی کی بیعت ہوتی ہے ۔ بیعت کے وقت اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم اور عہد کرتا ہے اس کے بعد شیخ اس کی توبہ کی تکمیل کراتا ہے ۔ توبہ کی دو قسمیں ہیں ۔(۱) توبہ اجمالی (۲) توبہ تفصیلی

<u>توبہ اجمالی:</u> توبہ اجمالی یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی کے تمام گناہوں کو اجمالی طور پر یاد کر کے دھیان میں لا کر ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے ۔ توبہ اجمالی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد، عاجزی وانکساری اور شرمندگی وندامت کے ساتھ ایک ایک گناہ یاد کر کے یہ دعا کرے کہ یا اللہ اب تک میری پچھلی زندگی میں مجھ سے جو گناہ ہوئے ہیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ۔ یا اللہ میں ان سے توبہ کرتا ہوں ۔ یہ توبہ اجمالی ہوگی ۔

<u>توبہ تفصیلی</u> توبہ اجمالی کے بعد توبہ تفصیلی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جن گناہوں کی تلافی ممکن ہے ان کی تلافی کر دی جائے ۔ جب تک انسان ان کی تلافی نہیں کرے گا اس وقت تک توبہ کامل نہیں ہوگی ۔ مثلاً! فرض نمازیں چھوٹ گئی تھیں ۔ اب زندگی کے اندر موت سے قبل ان نمازوں کی قضا واجب ہے ۔ توبہ تفصیلی کے اندر سب سے پہلا معاملہ نماز کا ہے ۔ اب جب نمازیں چھوٹ جانے کا خیال آیا تو اب توبہ کر لی یعنی بالغ ہونے کے بعد غفلت کی وجہ سے نمازیں چھوٹ گئیں تو ان کی تلافی کرنا فرض ہے ۔ اپنے ذمہ کتنی نمازیں باقی ہیں اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن ہو تو ٹھیک ٹھیک حساب لگالیں اور اگر ٹھیک حساب لگانا ممکن نہ ہو تو محتاط اندازہ کر کے

حساب لگالیں ۔پھر حساب لگا کر قضا نمازوں کی ادائیگی شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ساتھ وصیت نامہ پر لکھ لیں کہ میرے تر کے میں سے نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے ۔اسی طرح قضا روزوں کا حساب لگا کر اس کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کر جائیں (اگر قضا روزوں کی ادا کر سکیں تو کر لیں ورنہ فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے)

گناہ بے اختیار یاد آنے پر استغفار کرنا:

محقق اور غیر محقق میں یہی فرق ہوتا ہے کہ غیر محقق بعض اوقات الٹا کام بتا دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے بتایا کہ میرے پیر صاحب نے مجھے نصیحت کی ہے کہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھو تو تہجد کی نماز کے بعد اپنے پچھلے گناہوں کو یاد کرو اور ان کو یاد کر کے خوب رویا کرو۔لیکن محقق حضرات فرماتے ہیں یہ طریقہ ہرگز درست نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے بعد ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا اور ہمارے نامہ اعمال سے مٹا دیا ہے لیکن تم ان کو یاد کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ ابھی ان گناہوں کو نہیں مٹایا اور میں ان کو مٹنے نہیں دوں گا بلکہ ان کو یاد کروں گا تو اس طریقے میں اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کی ناقدری اور ناشکری ہے اس لیے جب انہوں نے تمہارے اعمال نامے سے ان کو مٹا دیا ہے تو اب اس کو بھول جاؤ۔ان کو مت یاد کرو اور اگر کبھی بے اختیار ان گناہوں کا خیال آجائے تو اس وقت استغفار پڑھ کر اس خیال کو ختم کر دو۔

ایک حدیث قدسی میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی

ایک اور حدیث قدسی میں معاف کرنے کا قاعدہ بیان فرمایا

''یعنی جو شخص ساری زمین پھر کر گناہ کر لے اور پھر میرے پاس آجائے بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں اس کو اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا جتنے اس کے گناہ تھے۔

اقبالؒ کا تصوّرِ فقر

(عبدالرشید ساہی)

سرورِ کائناتﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "الفقر و فخری" یعنی مجھے اپنی فقیری پر فخر ہے، ناز ہے۔ آپﷺ خود اندازہ کریں کہ ربِ کبریا کے محبوب ہوتے ہوئے بھی اکثر فاقہ کشی میں دن گزار دیتے کئی کئی روز تک گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا ساری عمر آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی مال و دولت جمع ہی نہیں فرمایا۔ شاعر لکھتا ہے۔

تجھ سا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ کہیں ہے بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشیں ہے

آخر یہ کون سی فقیری ہے جس پر ختم الرسلﷺ ناز کر رہے ہیں۔ اس فقیری کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم سے بصیرت حاصل کی جا سکتی ہے یا پھر حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے کلام سے فقر کی حقیقی روشنی کی پہچان کی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے؟ خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے جن اسلامی اقدار کو اجاگر کیا اور جن ابدی حقیقتوں پر اپنی فکر کی بنیاد رکھی ہے ان میں فقر کو اولیت حاصل ہے۔ فقر ایک مومن کے سر کا تاج اور اس کی معراج ہے اس کے بغیر ایک سچے اور کھرے مسلمان کا تصور بے معنی ہے۔ دیکھا جائے تو ایک کلمہ گو کی تعلیم کا پہلا زینہ ہی یہی ہے۔ یہی وہ زینہ ہے جس سے شہرِ مدینہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ جہاں مومن کی سیرت کو اجالتا ہے وہاں اس کی بصیرت میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ صاحبِ فقر وہ

ہے جوحقوق اللہ اورحقوق العباد کواپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا ہے جب کسی مسلمان میں فقر کی شان پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، اس کی گفتار اور اس کے ارادے اللہ کے ارادوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ کے بغیر علامہ اقبالؒ کے کلام کو پڑھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی روح کی گہرائی کو سمجھا نہیں جا سکتا۔علامہ اقبالؒ فقر کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں یعنی ذکر اور فکر اقبالؒ کے نزدیک قرب الٰہی کا پہلا زینہ ذکر ہی ہے اور ذکر بھی ایسا کہ انسان کا ہر سانس اللہ کا ورد کر رہا ہو اور یہی ذکر انسان کے لہو میں اس طرح سرایت کر جائے کہ اس کا ہر عمل قادر مطلق کے احکام کی بجا آوری کا جیتا جاگتا ثبوت ہو۔صوفیا کرام نے اس ذکر ہی کی بدولت معرفت کی کئی منزلیں طے کی ہیں۔

ہمارے دادا مرشد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بھی فقیری کے سلیبس میں دو قسم کے ذکر کا بتایا ہے۔ایک ذکر نفی اثبات اور دوسرا پاس انفاس یعنی سانسوں کے ساتھ اللہ کا ذکر۔یہ وہ ذکر ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان فاصلوں کو سمیٹ دیتا ہے اور اس حقیقی روشنی سے آگاہ کرتا ہے جس کی جستجو میں ایک طویل سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ذکر اپنے نصب العین اپنے مقصد سے شدید محبت کرنے کا نام ہے۔ذاکر ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اسے، اس کی بنائی ہوئی چیزوں سے بھی اسی طرح محبت ہو جاتی ہے۔

فکر کا مطلب ہے کہ خالق کائنات کی بنائی ہوئی چیزوں کے بارے میں غور کرنا جب انسان کائنات کے بارے میں غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان نعمتوں کا بنانے والا بھی کوئی ہے۔اس طرح ذاکر اپنے خالق و مالک کو پہچان جاتا ہے۔ذکر و فکر ایک مسلمان کی زندگی کا اثاثہ ہے ان دونوں کے ملاپ سے ہی مسلمان میں شان فقر پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے شان سکندری بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے　　　جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عالم راہ دکھاتے ہیں ۔منزل کو پانے کے لیے راستے کا جاننا بہت ضروری ہوتا ہے لیکن فقر راہ پہچانتا ہے۔

علم کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ　　فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد　　فقر کا مقصود ہے عفت و قلب و نگاہ
علم فقیہ و کلیم ، فقر مسیح و کلیم　　علم ہے جویائے راہ ،فقر ہے دانائے راہ

فقر محمدی ﷺ کی بدولت ایک مومن کائنات پر حکمرانی کرتا ہے وہ خشکی اور تری پر چھا جاتا ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے وہ اللہ ہی کے لیے جیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے مرتا ہے۔ صاحب فقر اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی کائنات پر غور و فکر کرتا ہے ۔اللہ تعالیٰ سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سجدہ شکر بجالاتا ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ فقر مردِ مسلمان نے کھو دیا جب سے　　رہی نہ دولت سلمانی و سیمابی
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو　　کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

فقر ہی کی بدولت ایک مسلمان مومن کے درجے پر فائز ہوتا ہے اور قرب خداوندی حاصل کرتا ہے اور کائنات کی وسعتوں ، گہرائیوں اور بلندیوں میں چھپے ہوئے خزانوں کے بھیدوں کو جان جاتا ہے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری　　اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری،اس فقر میں ہے میری　　میراث سلمانی سرمایہ شبیری

مرکز کی ڈائری

(ماجد محمود)

23 جنوری 1977 دورِ حاضر کے عظیم محقق و مجدد بزرگ اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا یوم وصال ہے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ نے تعلیم تصوف کو موجودہ زمانے کی مشرکانہ رسوم اور شخصیت پرستی و قبر پرستی سے پاک کر کے اور اسے موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ڈھال کر سالکان راہ خدا کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا فرمادی ہیں۔

آج کے زمانے میں وقت کی تنگی کا شکوہ کرنے والا انسان بھی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کے مطابق چشمہ تصوف سے سیراب ہوسکتا ہے بشرطیکہ خلوص اور طلب سچی ہو۔

مرکز تعمیر ملت پر ماہ جنوری میں بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے اور آپؒ کی روح کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔

معمول کے مطابق ہر انگریزی ماہ کے پہلے اتوار مرکز تعمیر ملت پر توحیدی بھائیوں کی gathering ہوتی ہے لیکن اس مرتبہ جنوری کے دوسرے اتوار پروگرام رکھا گیا۔

موبائل میسج کے ذریعے قرب و جوار کے حلقہ جات کے بھائیوں کو اطلاع و دعوت دے دی گئی تھی۔ تقریباً ۱۱ بجے اجتماعی قرآن خوانی سے محفل پاک کا آغاز ہوا۔ قرآن خوانی کے بعد حلقہ ذکر ہوا جس میں درود شریف اور نفی اثبات کا ذکر کیا گیا۔ ذکر کے بعد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ نعت پیش کیا گیا۔

اس پروگرام میں ہمارے بزرگ بھائی جناب رانا صفدر علی صاحب اور پسرور سے صادق علی ڈوگر صاحب نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی جنہوں نے قبلہ انصاری صاحب کے وقت کی یادوں کو تازہ کیا۔

اس کے بعد وزیرآباد کے بھائی جناب طارق محمود الحسن خضری اور پروفیسر احمد رضا خان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم پر اللہ کا بہت بڑا فضل اور عنایت ہے کہ ہم قبلہ انصاری صاحبؒ کی روحانی تحریک سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہیں۔اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے توحیدی ہونے کا حق ادا کریں۔اپنے اخلاق و کردار کو مضبوط بنائیں عمل کی راہ اپنائیں اور بانی سلسلہ کی تعلیمات دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لیے بھرپور کوشش کریں۔

اظہار خیال کے بعد ختم شریف پڑھا گیا اور شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد یعقوب توحیدی نے دعا فرمائی۔

پروگرام کے اختتام پر بھائیوں کو ظہرانہ دیا گیا اور اس طرح توحیدی بھائی اپنے سینوں میں بانی سلسلہ کی یادوں اور آپؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کے عزم کے ساتھ مرکز تعمیر ملت سے بابا جان سے الوداعی ملاقات کے بعد رخصت ہو گئے۔

خوش اخلاقی

(فہد محمود بخاری)

اخلاق 'خـــلـــق' کی جمع ہے ۔اس کے معنی ہیں طبیعت، عادت اور مروّت کے۔ خوش اخلاقی زندگی گزارنے کا ایک اچھا اور نیک طریقہ ہے۔ اخلاق اصل میں انسانی سیرت و کردار پر مبنی روّیے کا نام ہے ۔انسانیت کی بنیاد اخلاق پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مخلوق کی ہر دل عزیزی حاصل کرنے کیلئے اچھا اخلاق سب سے بڑا، سب سے بہتر اور سب سے زیادہ آسان ذریعہ ہے۔ ہر انسان میں حقیقی جوہر انسانیت کا ہونا ضروری ہے۔ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ صرف ''اخـــلاق'' ہے۔ تمام اچھے اخلاق کا خلاصہ دوسروں کو تکلیف نہ دینا ہے۔ شجر علم کا ثمر اوّلین حسن اخلاق ہے۔ انسان اخلاق سے بنتا ہے۔ عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔ لیاقت اور علم سے دنیا مسخر ہوتی ہے ،لیکن دلوں کی تسخیر کیلئے خوش اخلاقی کا ہونا بہت ضروری ہے۔

اخلاق کسی بھی قوم کا طرۂ امتیاز ہے۔ آداب اور حسن اخلاق ہر معاشرے اور ہر قوم کا وقار اور پہچان ہے، جو قومیں اخلاق و کردار سے عاری ہو جاتی ہیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔ گو کہ دیگر اقوام یا مذاہب نے اخلاق و کردار اور ادب و آداب کو فروغ دینے میں ہی اپنی عافیت جانی مگر اس کا اہتمام سہرا اسلام کے سر جاتا ہے جس نے آداب و حسن و اخلاق کو باقاعدہ رائج کیا اور اسے انسانیت کا اوّلین درجہ دیا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اچھے اور بہترین اخلاق جنت کے اعمال میں سے ہیں۔ حضور ﷺ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، اس کے باوجود حضور ﷺ کے تمام اعمال

میں اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔فرمایا: بے شک آپ اخلاق کے اونچے درجے پر ہیں۔خوش اخلاق ہونے میں خرچ کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، مگر اس سے بہت کچھ خریدا جاسکتا ہے۔ اخلاق کا اچھا ہونا محبت الٰہی کی دلیل ہے۔ اخلاق ایسا ہیرا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے۔کسی کی دل شکنی کے بعد دل جوئی کے ہزار طریقے اختیار کئے جائیں تو بھی اس کا اثر زائل کرنا مشکل ہوتا ہے۔خوش اخلاقی بھلائی کا سبق دیتی ہے اور بھلائی کا مزاج رکھنے والا راحت وسکون میں ہوتا ہے۔

اخلاق کسی معاشرے کی بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے جو معاشرے کو بلند تر کردینے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ جن اقوام نے مضبوط اخلاق اور اعلیٰ سیرت کا مظاہرہ کیا، وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں سربلند اور غالب ہوئیں اور جن قوموں نے کمزور اخلاق اور ناقص سیرت کا نمونہ پیش کیا، وہ دنیا میں ذلیل وخوار اور محکوم ہوگئیں، حتیٰ کہ صفحۂ ہستی سے ہی مٹادی گئیں۔اخلاق و کردار انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔حکماء اور علماء کے نزدیک اخلاق ہر چیز پر مقدم ہے۔انسان وہ ہے جو عقلی اخلاق، جسمانی روحانی اور عملی تمام برکتوں سے فیضیاب ہو۔خوش اخلاقی سیرت کی تکمیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔خوش اخلاقی انسان کو دین ودنیا میں کامیاب وکامران کرتی ہے۔خوش اخلاقی انسان کو اللہ کی نظر میں بہترین بناتی ہے۔

حضرت ابو داؤدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن نامۂ اعمال کے ترازو میں حسن اخلاق سب سے وزنی ہوگا''۔(ترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہونگے۔'' (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم خوش اخلاق بنیں اور اپنی خوش اخلاقی کے سبب دوسرے مسلمان بھائیوں میں آسانیاں بانٹیں۔

نزولِ سکینہ

(مرتب: نظام ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ)

هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِهِمْ
(سورہ الفتح: آیت: ۴)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکون (اطمینان) اتارا، تا کہ ان کا ایمان اور بڑھ جائے۔''

سکینہ وہ نور ہے، جو مومنین کاملین کے قلوب پر نازل ہوتا ہے اور یہ نعمت، کائنات میں سوائے مومنین یعنی اولیاءاللہ کے کسی کو دستیاب نہیں، کیونکہ یہ ''مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَاءِ'' ہے ''مُخْرَجٌ مِنَ الْاَرْضِ'' نہیں، ورنہ ہر غیر متقی بھی اس کو حاصل کر لیتا۔ یعنی یہ نعمت آسمان سے عطاء ہوتی ہے، زمین والوں کی دست رسی وہاں تک نہیں ہے۔

نازو نخرے اور تکبر کی راہ سے نعمت عطاء نہیں ہوتی، یہ تو گڑگڑانے سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو ایمان والوں کیلئے خاص رکھا ہے۔ اور اس نعمت کے بعد ایمان والوں کے ایمان کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں (پارہ:۱۱۔ص ۲۵) پر سکینہ کی تین تفسیریں فرماتے ہیں:

پہلی تفسیر: ﴿ بِنُوْرٍ یَسْتَقِرُّ فِیْ الْقَلْبِ ﴾

ترجمہ: ''سکینہ ایک نور ہے، جو مومن کے قلب میں ٹھہر جاتا ہے۔''

ٹھہرنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن جہاں کہیں بھی ہو، وہ نور ان کے ساتھ رہتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ نور کسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔ اسی کا نام سکینہ ہے۔

نورِ سکینہ کے حصول اور حفاظت کا طریقہ اللہ کے ذکر اور تقویٰ سے ملتا ہے۔ بشرطیکہ اس

نور کو ضائع نہ کیا جائے ، ورنہ وہی مثال ہوگی جیسے ٹینکی تو پانی سے بھر دی، لیکن ٹونٹی کھلی چھوڑ دی، جس سے سارا پانی نکل گیا۔ اسی طرح ذکر سے تو قلب بھر گیا، لیکن گناہ بھی کر لئے ، جس سے سارا نور ضائع ہوگیا۔ لہٰذا ذکر کے ساتھ تقویٰ کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

دوسری تفسیر: ﴿وَبِهٖ يَثْبُتُ عَلَى التَّوَجُّهِ اِلَى الْحَقِّ﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ کی طرف اُس کی توجہ ہر وقت رہتی ہے۔ ایک لمحہ بھی اپنے اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔''

اس نور کی خاصیت یہ ہے کہ جس دل پر اللہ تعالیٰ سکینہ اُتارتا ہے، ہر لمحۂ حیات، ہر سانس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے، ایک لمحہ کو بھی غافل ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا۔

یہی وہ مقام ہے جس کو نسبت کہا جاتا ہے، جب نسبت قائم ہوگئی تو اللہ کو بھول نہیں سکتا۔ اب بھاگنا بھی چاہے تو بھاگ نہیں سکتا۔ بھلانا بھی چاہے تو بھلا نہیں سکتا۔ ایک لمحہ بھی اللہ کے بغیر نہیں جی سکتا۔

تیسری تفسیر: ﴿ يَتَخَلَّصُ عَنِ الطَّيْشِ ﴾

ترجمہ: ''یعنی ایسے شخص کو بے سکونی اور پریشانی سے نجات مل جاتی ہے۔''

قلب نرم اور ٹھنڈا رہتا ہے، جب کوئی پریشانی آئی دو رکعتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ سے رو کر دُعا کرلی، دل مطمئن ہوگیا۔ تخلّص کے معنی ہیں بے سکونی سے خلاصی پاجانا۔

نزولِ نسبت خاصہ کا ذریعہ ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مومنین کے دلوں پر سکینہ اس لئے نازل ہوتی ہے تا کہ ان کا موجودہ ایمان زیادہ ہوجائے، کیونکہ ایمان تو پہلے بھی تھا، لیکن معلوم ہوا کہ سکینہ کا نور دل میں آنے کے بعد اُن کا موجودہ ایمان بڑھ جاتا ہے۔ سکینہ کا نور عطاء ہونے سے پہلے اُن کا جو ایمان تھا، اس کا نام تھا ایمانِ عقلی ، استدلالی ، موروثی۔ یعنی عقل کی بنیاد پر تھا کہ عقل سے اللہ کو پہچانتا تھا اور استدلالی تھا کہ دلیلوں سے اللہ کو مانتا تھا اور دلائل سے اللہ کے وجود پر استدلال کرتا تھا اور

موروثی تھا کہ ماں باپ مسلمان تھے،لہٰذا ہم بھی مسلمان ہیں۔

لیکن جب سکینہ کا نور عطاء ہوتا ہے،تو یہ ایمانِ عقلی، استدلالی اور موروثی ،ایمانِ ذوقی ،حالی،وجدانی میں تبدیل ہوجا تا ہے۔ایمان ذوقی کیا ہے؟یعنی دل میں مزہ چکھ لیتا ہے، کہ میرا اللہ کیسا ہے،دل اللہ کے قرب کی لذّت کو چکھ لیتا ہے،ذوق کے معنی چکھنے کے ہیں۔

اورایمان حالی یہ ہے کہ:ایمان دِل میں اُتر جا تا ہے۔''حال'' معنی اُترنے کے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے کیلئے اب اُس کوکسی استدلال کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ایمان دل میں حال ہوجاتا ہے ،دل میں وہ اللہ کومحسوس کرنے لگتا ہےاور ایمان وجدانی نصیب ہوتا ہے۔

وجدان کا معنی پانا یعنی دل میں اللہ کو پا تا ہے۔پھر عالم غیب اس کیلئے برائے نام عالمِ غیب رہتا ہے،وہ دل کی آنکھوں سے گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔یعنی قلب پر مشاہدۂ حق ایسا غالب ہوجائے کہ گویا آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔''

دل میں جب اللہ کو پا تا ہے، اللہ کے قرب کی لذّت کو چکھتا ہے،دل میں اللہ تعالیٰ کو محسوس کرنے لگتا ہے،تو غلبۂ قربِ حق سے یہ آسمان بھی اس کیلئے حجاب نہیں رہتے۔

جب کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے،تو فرشتے اُس کو گھیر لیتے ہیں، گویا ذاکرین کی فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے،اس طرح خاکی مخلوق کونوری مخلوق کی مصاحبت نصیب ہوجاتی ہے اوراس صحبت کی برکت سے فرشتوں کے پاکیزہ اخلاق اور اُن کے ذوق عبادت کی اِن بندوں کے قلوب میں منتقل ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ذکر کا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اوراللہ کی رحمت اپنے آغوش میں لے کر ذاکرین کو پیار کر لیتی ہے۔ ذکر کا انعام یہ بھی ملتا ہے کہ سکینہ نازل ہوتی ہے ۔ذکر کیلئے سکینہ لازم ہے اورسکینہ کیلئے زیادتِ ایمان لازم ہے۔اللہ کا ذکر حصول نسبت کا خاصہ تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہے۔

اسلام کے تعارف کا انداز

(محمد یوسف اصلاحی)

اسلام کی سادہ، واضح اور دل کو اطمینان کی ٹھنڈک دینے والی تعلیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ یہ کائنات پیدا کرنے والا اللہ ہے اور وہی انسان کا بھی خالق ہے۔ وہ انسانوں پر بے انتہا مہربان ہے شب و روز انسان کو اپنی رحمتوں، نوازشوں سے نوازرہا ہے۔ اس پروردگار کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں بندگی، عبادت اور اطاعت کے لائق صرف وہی اکیلا معبود ہے۔ اسلام مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس حقیقت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرے۔ اس پر پختہ یقین رکھے اور زبان سے اس حقیقت کا اعلان کرے کہ اس یقین واعلان کے ذریعے ہی آدمی مومن اور مسلم بنتا ہے۔

اللہ کی بے پایاں رحمتوں اور بے حد وحساب نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ہر دور میں انسان کو گمراہی اور ضلالت کی پستیوں سے بچانے اور راہ ہدایت دینے کے لیے پیغمبر بھیجے۔ جو اللہ کی مرضی کا علم لے کر آئے اس کا دیا ہوا ہدایت نامہ لے کر آئے۔ یہ پیغمبر اور رسول نوعِ انسانی کے سب سے برگزیدہ، سب سے افضل اور مثالی انسان تھے ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جس دین اور ہدایت کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت دی۔ سب سے پہلے خود اس پر ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر خود اس پر عمل کیا اور اعلان کیا کہ سب سے پہلے ہم اس ہدایت کو مانتے ہیں "انا اوّل المسلمین" ہم سب سے پہلے مسلم ہیں اور یہ برگزیدہ ہستیاں ایمان لانے والوں اور پیروی کرنے والوں کے لیے بہترین نمونہ اور مثال بنے۔ ان پیغمبروں اور نبیوں کے سردار سب سے آخر میں آئے۔ ان پر نبوت ختم ہوگئی اب جو شخص بھی ہدایت کی راہ

پر چلنا چاہےاور خدا کے دین پر عمل کرنے کا آرزومند ہواس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس حقیقت پر دل سے ایمان لائے اور کامل اطمینان کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے آخری رسول ہیں اور ان پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

ان دو حقیقتوں پر پختہ یقین و ایمان اور اس کا اعلان دین کا مرکزی نکتہ اور اسلامی نظریہ حیات کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ اسی مرکزی نکتہ سے پورا دین اسلام پھوٹتا ہے۔ اس کے بغیر دین کا کوئی جز ٹھیک نہیں ہوتا' اسی کو کلمہ طیبہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی کا اعلان کر کے آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اور صاحب ایمان بنتا ہے اس پختہ یقین اور ایمان کے اعلان کی توفیق جس خوش نصیب کو بھی حاصل ہو اس کی دینی ذمہ داری یہ قرار پاتی ہے کہ وہ اپنے حلقہ تعارف میں اس کلمہ کو عام کرے اس کی حقیقت بندگان خدا کو سمجھائے دلسوزی اور دلی تڑپ کے ساتھ اس کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کرے اور لوگوں کو تیار کرے کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر کے سخت ترین ماحول میں اس کا اعلان کیا، اس کلمہ طیبہ کو عام کرنے اور بندگان خدا تک پہنچانے کیلئے اپنے قبیلوں میں پہنچے۔ دوسرے قبیلوں میں پہنچے تو وہاں بھی یہی دعوت پیش کی۔ ان کا مقصد زندگی کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنا تھا، بنک بیلنس بڑھانا نہیں تھا بلکہ ان کا اصل ہدف اور اصل سرمایہ یہ تھا کہ وہ کتنے افراد کے دلوں میں اللہ کی یہ دعوت اتارتے ہیں اور کتنوں کو حلقہ بگوش اسلام بناتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہؓ کا جب ایرانی سپہ سالار رستم اور دوسرے ایرانی کمانڈروں سے سامنا ہوا تو مغیرہ بن شعبہ نے جچے تلے لفظوں ان کے سامنے اپنی حیثیت اور پیغام کا اظہار اس طرح فرمایا:

ہم لوگ تاجر نہیں ہیں ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنی تجارت کے فروغ کے لیے نئی منڈیاں تلاش کریں۔ ہمارا نصب العین یہ دنیا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود آخرت ہے صرف آخرت۔ ہم دین حق کے علمبردار ہیں اور اس دین حق کی طرف لوگوں کو بلانا ہمارا نصب العین ہے۔

اسلامی کمانڈر کی زبان سے یہ دل میں اتر جانے والے کلمات سن کر رستم چونک گیا۔

اس کی فطرت نے پذیرائی کی اور بولا ۔"عرب کمانڈر! وہ دین حق کیا ہے جس کی طرف تم بندگان خدا کو بلاتے ہو ذرا اس کا تعارف تو کراؤ"۔حضرت مغیرہؓ یہی تو چاہتے تھے آپ نے فرمایا:

ہمارے دین حق کی اصل بنیاد اور مرکزی نکتہ جس کے بغیر اس دین کا کوئی جز ٹھیک نہیں ہوتا یہ ہے کہ انسان اس حقیقت کا اعلان کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ اس اصل بنیاد ہی سے پورا دین پھوٹتا ہے اور پورے دین کا نظام اسی شیرازے سے وابستہ ہے۔

اسلام کی اس فطری تعلیم اور بنیادی نکتے کو سننے کے بعد رستم کی طلب اور بڑھی اور اس نے کہا۔"مغیرہؓ! یہ تو بہت ہی اچھی تعلیم ہے' کیا اس دین کی اور بھی کچھ تعلیم ہے'' رستم کے بڑھتے ہوئے شوق کو دیکھ کر مغیرہؓ نے بڑے جذبے سے کہا:

اس دین حق کی ایک تعلیم یہ ہے کہ انسان کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں لایا جائے۔

ایرانی سپہ سالار کی فطرت جاگ اٹھی اور اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا"یہ تو واقعی بہت اچھی تعلیم ہے کیا تمہارے اس دین کی کچھ اور تعلیم بھی ہے''؟

حضرت مغیرہؓ نے فرمایا:

ہمارا دین یہ بھی بتاتا ہے کہ''دنیا کے سارے انسان آدم کی اولاد ہیں۔اور وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔سگے بھائیوں اور بہنوں کی طرح ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔'' اللہ واحد کی عبادت اور اس سے محبت کا فطری جذبہ ہر انسان کی فطرت میں ہے ایران ہو یا ترکستان، ہندوستان ہو یا چین دین حق کی بنیادی دعوت ہر انسان کی فطرت سے مانوس ہے کسی کیلئے اس دعوت میں اجنبیت نہیں ہے۔اور سارے انسانوں کے ربّ کی جانب سے آنے والی تعلیم اور بھیجے جانے والے پیغمبر تمام نوع انسانی کے رسول اور پیغمبر ہیں۔ان کا خطاب کسی

خاص نسل گروہ اور قوم سے نہیں بلکہ نوع انسانی سے ہے۔ان کی پاکیزہ بے لوث اور خیر خواہانہ زندگی کو ہر ایک کے سامنے پیش کیجیے، بلا جھجک پیش کیجیے۔یہ زندگیاں خود دین حق کے لیے دلیل روشن ہیں۔بلا شبہ پچھلے انبیاء کی زندگیوں کو ان کے متبعین نے من گھڑت افسانوں سے رنگین بنایا اور ان کی حقیقی زندگیاں ماند ہو گئیں لیکن سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات بھی محفوظ ہیں اور یہ زندگی کے ہر افسانوں سے پاک ایک پیغمبر کی زندگی ہے اس زندگی کو اور انکی انسانیت نواز تعلیمات کو بے کم و کاست اور بے جھجک ہر ملک ہر نسل ہر گروہ کے سامنے پیش کیجئے آپ دیکھیں گے کہ ہر فطرت میں اس کلمہ کے لیے پذیرائی کا جذبہ ہے بشرطیکہ آپ پوری دلسوزی حکمت اور داعیانہ تڑپ کے ساتھ پیش کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری تعلیم جو اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے اپنی بندگی کرائے آج پوری دنیا اسی لعنت میں گرفتار ہے۔دنیا کا سارا فساد اسی جڑ سے پھوٹ رہا ہے آج کا ہر خوددار اور ذی شعور انسان اس مصیبت سے نجات چاہنے کے لیے بے تاب ہے۔اس تعلیم کو یقین کی قوت اور سلیقے سے آپ جس ملک اور جس قوم میں بھی پیش کریں گے محسوس ہوگا کہ یہ مخاطب کے دل کی آواز ہے اس کے دل کی ایک کسک ہے، جس کو آپ نے الفاظ کا جامہ دے دیا ہے۔اور ہر دل کو اس پذیرائی کے لیے کھلا پائیں گے۔

تیسری تعلیم کہ دنیا کے تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور روئے زمین کے سارے مرد اور ساری عادتیں سگے بہن بھائیوں کی طرح ہیں ایک ایسی حقیقت اور ایسی دلنشیں تعلیم ہے جو دنیا کے اس وقت کے تمام جھگڑوں کو ختم کرنے والی ہے بھائی اور بہن میں بہن اور بہن میں بھائی اور بھائی میں باہم محبت مودّت اُخوت پیار اور قربت ہوتی ہے، نفرت اور عناد سے بیزاری۔آج جو قوموں کے درمیان نفرت بیزاری اور ایک دوسرے کے خلاف عناد اور دشمنی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ربّ کی یہ تعلیم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے وہ اس حقیقت واقعی سے نابلد ہیں اور غلط افکار و نظریات کا شکار ہیں۔دین حق کی اس تعلیم کو پورے زور اور حکمت کے

ساتھ پیش کیجئے تو آپ محسوس کریں گے کہ ہر دل کو اس تعلیم سے سکون ملے گا۔ اور وہ اس کو اپنے دل کی آواز سمجھے گا۔

ان حقائق اور بنیادی تعلیمات کو ایک اور عرب کمانڈر ربعی بن عامر نے اسی ایرانی سپہ سالار کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس فریضے پر مامور کیا ہے کہ ہم ان بندگان خدا کو جن کو اللہ نے توفیق سے نوازا ہے، انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور اس تنگ دنیا سے نکال کر ایک وسیع اور کشادہ دنیا میں لائیں اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں لائیں۔ پس اللہ نے ہمیں اپنا دین حق دے کر اپنی مخلوق کے پاس بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو اس دین حق کی طرف بلائیں۔

ہم سب خدا کے بندے ہیں ہم سب کی عبادت کے لائق صرف ایک اللہ ہے، جو پوری دنیا کا خالق ہے یہی وہ تعلیم ہے، جس پر ہم پوری دنیا کے انسانوں کو متحد کر سکتے ہیں اور انسانی اتحاد کی بنیاد ڈال سکتے ہیں اس حقیقت کے شعور سے قلب ونگاہ میں کس قدر وسعت اعتماد اور قوت پیدا ہوتی ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے سارے انسان خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہمارے بہن بھائی ہیں، ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور سگے بہن بھائیوں کی طرح ہیں اللہ سے تعلق ومحبت کی یہ بنیاد اور صلہ رحمی کا یہ وسیع تر تصور انسانیت کی مشترک میراث ہے۔ یہ وہ دعوت ہے جو ہمیشہ انبیاء نے پیش کی ہے اور یہ ہر ملک ہر نسل ہر قوم ہر رنگ اور ہر زبان کے بولنے والے انسانوں کے لیے یکساں قابل قبول ہے۔ سب کے جذبۂ عبودیت کو تسکین دینے والی اور سب کے الجھے مسائل کو حل کرنے والی دعوت ہے اس کو اپنانے میں نہ کوئی زبان آڑے آتی ہے نہ کوئی قومیت اور نسل آڑے آتی ہے اور نہ کوئی ملک اور وطن اور نہ جغرافیائی حدود۔

اسلام کے داعی کو اسلام پر اسی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دین نسلی میراث یا ملی شعار نہیں ہے۔ یہ تمام انسانوں کا دین ہے اولاد آدم کی مشترک میراث ہے اس پر کسی

قوم، کسی گروہ کا قطعاً کوئی اجارہ نہیں ہے۔ یہ مشرق سے طلوع ہونے والے سورج اور فضاء میں چلنے والی ہوا کی طرح نوعِ انسانی کے لیے ایک نعمت ہے۔ یہ نعمت ہر اس انسان کے لیے ہے جو اس کو قبول کر کے اس پر ایمان لائے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی سعادت پائے خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو، کسی رنگ کا ہو کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، کسی ملک کا باشندہ ہو اور کسی قوم اور تہذیب سے تعلق رکھتا ہو۔

آج اللہ نے ہمیں اس کام پر مامور فرمایا ہے۔ ہمارا اس ملک میں رہنا بسنا اللہ کے عظیم تر منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ اس ملک میں شب و روز جن سنگین مسائل کا ہمیں سامنا ہے۔ جان و مال و عزت و آبرو کے جن خطرات میں ہم مبتلا ہیں اور عملاً جن خطرات سے دو چار ہیں، ان کا علاج بھی یہ ہے کہ ہم اپنی اصل حیثیت کو پہچانیں اللہ کی اصل دعوت پر دھیان دیں، جس ایمان کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اور ایمان کے جس اعلان کے ساتھ ہم اس ملک میں زندگی گزار رہے ہیں اس دعوت کو پیش کرنے سے متعلق اپنے دینی فریضے کو سمجھیں اور سنجیدگی، احساس فرض اور کامل شعور کے ساتھ خدا کی ہدایت کے مطابق اس دین کی نمائندگی کریں۔ اپنے قول و فکر سے بھی اور اپنے سیرت و اعمال سے بھی .... یہی ہمارے دنیوی مسائل کا بھی حل ہے اور یہی آخرت کی فلاح و نجات کی ضمانت ہے۔

دل کی اصلاح

(بنت الاسلام) : مرسلہ: ارم صباء)

برائی ہو یا اچھائی ان کا اصل سرچشمہ انسانی دل ہے ۔نیکی ہو یا بدی پہلے اسی میں پیدا ہوتی ہے اس کے بعد وہ اعضاء جوارح کو عمل میں لاتی ہے ۔لہٰذا تزکیہ نفس کے سلسلے میں سب سے پہلا عملی کام دل کو بدلنا ہے ۔دل میں نیکی کی خواہش محبت اور احترام پیدا کرنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے آگاہ رہو کہ وہ (ٹکڑا) دل ہے۔''(بخاری ومسلم)

ضبط نفس کے سلسلہ میں سب سے پہلے دل کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ،آخرت کی جوابدہی کا احساس اور نیکی کا احترام بیٹھے ۔دل کو پورا یقین ہو جائے کہ نیکی ہی میں نجات ہے،دل کا ایمان ہو کہ برائی مجھے رسوائی اور تکلیف کے سوا کچھ نہیں دے گی ۔دل ہی تو وہ اصل شے ہے جو برائی کی طرف کشش محسوس کرتا ہے ۔اس کو پاکی کی تربیت دے کر درست کریں تا کہ وہ پھر ادھر زیادہ کشش محسوس ہی نہ کرے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دل کی حالت سے بے خبر رہتے ہیں اور ظاہری طور پر ایسے اعمال اختیار کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں جنہیں اعمال صالحہ کہا جاتا ہے ۔مگر یہ بے بنیاد عمارت بدلے ہوئے حالات کے جھگڑوں کا ذرا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اور کسی وقت دھڑام سے نیچے آجاتی ہے ۔جس کا دل ایمان و یقین سے بھرا ہوا ہے اس کا تھوڑا عمل بھی

زیادہ خیر و برکت کا باعث بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں ثبات ہوتا ہے۔ مگر جہاں دل ہی بے یقینی میں مبتلا ہو وہاں پورے طور پر چاہے نیکی کی راہ میں کتنی ہی سرگرمی کیوں نہ دکھائی جارہی ہو اس سرگرمی کو پائیداری حاصل نہیں ہوتی۔ کیا پتا کس وقت وہ بے یقینی اور ایمان کی کمزوری اسے ان سرگرمیوں سے ہٹا کر پھر دوسری راہوں کی طرف پھیر لے جائے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے''(مسلم)

لہٰذا جس برائی کو بھی دور کرنا مطلوب ہو تو دل میں اس کی نفرت بٹھائیں اور جس نیکی کو بھی اختیار کرنا مقصود ہے تو دل میں اس کی محبت اور اس کی اہمیت کا احساس گہرا کریں۔ اصل میں ناپاک خواہشوں کا پیدا ہو جانا تقاضائے بشریت ہے۔ مگر ان خواہشوں کا دل میں آرام سے بیٹھنا یعنی پھلنا پھولنا' ہر طرف سے اپنے آپ کو نیچے گاڑتے چلے جانا' یہ انسان کی اپنی نالائقی اور غفلت ہے۔ بری خواہشات تو پیدا ہوں گی ہی، مگر انسان کا فرض ہے کہ دل کو ان سے پاک کرنے کی سعی جاری رکھے تاکہ وہ جڑیں مضبوط نہ کر سکیں۔ امام جعفر صادقؒ دل کی پاکی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تیرے دل کے اندر ہے، اگر تو اسے کھلے ہوئے طباق کے اندر رکھ دے اور اس کو لے کر بازار کا گشت لگائے تو اس میں ایک چیز بھی ایسی نہ ہو جس کو اس طرح آشکارا کرنے میں تجھے شرم محسوس ہو یا کوئی اس پر حرف گیری' نکتہ چینی یا انگشت نمائی کر سکے۔''

بہت ممکن ہے کہ بعض لوگ یوں سوچتے ہوں کہ یہ معیار صرف بڑے بڑے متقی لوگوں اور اولیاء اللہؒ ہی کے لیے ممکن ہے۔ عام انسان اس تک نہیں پہنچ سکتے' مگر یہ شے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ نیکی کے معاملے میں معیار بہر حال بلند ہی ہونا چاہیے تاکہ اگر انسان اس تک نہ بھی پہنچ سکے تو اس کے قریب قریب پہنچنے کی صورت میں بھی وہ نیکوکاری ہی کے میدان میں ہو۔

۲۔**فوائد کا تصور:** ضبطِ نفس کو آسان کرنے والی دوسری شے یہ ہے کہ نیک اعمال سے حاصل ہونے والے اُخروی فوائد کو وقتاً فوقتاً ذہن میں تازہ کیا جاتا رہے اور نفس کو زیر کرنے میں جو تکلیف ہو، اسے برداشت کرنے کے اجر کا تصور کر لیا جائے۔ یہ تصور دل کو نیکی کی راہ پر ڈالنے کے سلسلے میں حیرت انگیز اثرات پیدا کرتا ہے۔ ذرا خیال کیجئے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں کیوں بار بار بہشت اور اس کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر فلاح پسند واقع ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے فوائد حاصل ہوں۔ ذرا خیال کیجئے کہ دنیوی زندگی میں فوائد حاصل کرنے کی خاطر ہم کیا کیا پاپڑ نہیں بیلتے۔ انسان کتنی مشقت کرتا اور تنگی سہتا ہے۔ حالانکہ ان مقاصد کا لازماً حاصل ہو جانا ضروری نہیں ہوتا چنانچہ ایمان واخلاق کے معاملے میں بھی اگر انسان ذہن میں اس خیال کو تازہ رکھے کہ جتنی تکلیف اٹھائیں گے اتنے ہی انشاء اللہ زیادہ اجر کے مستحق ہوں گے۔ تو یہ شے ضبطِ نفس کو آسان کر دے گی۔

نفس کے تقاضے کو دبانے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ تکلیف اللہ کی راہ میں ہوگی لہٰذا یہ اجر کا باعث بنے گی۔ اس طرح نیکوکار لوگ برائی کی خواہش کو بھی بھلائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

انسان اپنی غفلت کو جھٹک کر ذرا مستقبل پر غور کرنے کی طرف توجہ دے تو اسے احساس ہو جائے کہ آگے کتنا لمبا سفر درپیش ہے۔ پہلے موت کا مرحلہ جو خدا جانے کتنا تکلیف دہ ہوگا پھر برزخ کی زندگی، جو خدا معلوم کتنی لمبی ہوگی۔ پھر قیامت کے احوال، انسان کے اعمال کا تولا جانا، انسان کا پل صراط سے گزرنا، اس کی خوش بختی یا بدبختی کا فیصلہ ہونا، پھر کوئی دائمی ٹھکانہ، جو خدا معلوم آرام دہ ہوگا یا اذیت رساں ......انسان ان لازمی طور پر آنے والے حالات وواقعات کو ذہن میں بار بار تازہ کرتا رہے اور یہ حقیقت ذہن نشین کرے کہ نیک اعمال اور خدا کی راہ میں اٹھائی ہوئی مشقت کتنی مددگار ہوگی، تو ضبطِ نفس کی راہیں اس کے لیے خود بخود ہی آسان ہوتی چلی

جائیں گی۔حضورﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ مومن کی راہ میں جو مشقت بھی آئے اور چھوٹی سے چھوٹی تکلیف جسے وہ برداشت کرے،اس کے گناہوں کو جھاڑنے کا باعث بن جاتی ہے"۔

"حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول خداﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان کو جو کچھ تکان،مرض،فکر،حزن،تکلیف اور غم لاحق ہوتا ہے،حتیٰ کہ ایک کانٹا لگ جانے سے بھی اسے جو تکلیف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔(بخاری مسلم)

وہ تکلیف جو دل کو برائی سے روکنے کے سلسلے میں ہوتی ہے،جو اجر اپنے ساتھ لاتی ہے وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اسے حاصل کرنے کی خاطر دل پر جبر کرنے کی تکلیف کو بخوشی برداشت کیا جائے۔منزل اگر خوشگوار ہو تو اس کا تصور سفر کی مشقتوں کو زیادہ محسوس نہیں ہونے دے گا۔ کسی نکتے پر توجہ مرکوز کرکے کچھ دیر غور و فکر کرتے رہنا اعمال پر بڑا خوشگوار اثر ڈالتا ہے۔اپنے دل کو قابو میں رکھنے سے انسان بے شمار دینی اور دنیوی ہلاکتوں سے بچ جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرکے امن وسکون کو حاصل کرلیتا ہے،جس کے بعد کسی قسم کی بدامنی اور بے سکونی کا وجود نہیں ہے۔لہٰذا اگر ہم اس ابدی راحت کو وقتاً فوقتاً تصور میں لاتے رہیں تو ضبطِ نفس کی راہ کی مشکلات صرف اس تصور ہی سے بہت حد تک آسان ہوتی چلی جائیں گی۔

استقامت اور مداومت عمل:

ضبطِ نفس کو آسان بنانے والی تیسری چیز استقامت اور مداومتِ عمل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو نیک کام شروع کیا جائے اسکے سلسلے میں پھر سستی برتنے اور ناغہ کرنے سے پرہیز کیا جائے۔اور جس برے کام کو چھوڑ دیا جائے،پوری پوری سعی کی جائے کہ پھر اس کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔

ایک صاحب کو بدقسمتی سے شراب نوشی کی عادت پڑ چکی تھی۔بیوی کی مسلسل کوششوں کے باعث آخر وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اس لعنت کو چھوڑ دیں گے۔چند ہفتے ایسے گزرے جن میں انہوں نے اپنی توبہ کو پورے طور قائم رکھا اور ترکِ مے نوشی کے ابتدائی دنوں کی تکلیف

بھی برداشت کر لی ۔اب توقع تو یہ تھی کہ ہر آنے والا دن ان کے لیے اپنی توبہ قائم رہنے کے عمل کو آسان سے آسان تر بناتا جائے گا ۔مگر اس کنبے کی بے نصیبی کہ انہی دنوں ان کا کوئی ہم نوالہ ہم پیالہ دوست باہر سے آدھمکا اور پرانی دوستی کے واسطے دے دے کر انہیں مجبور کیا کہ بس ایک دفعہ اس کے ساتھ بیٹھ کر مے نوشی کر لیں اور اس کے بعد پھر پکی توبہ کر لیں ۔مگر اس ایک دفعہ کے بعد پھر پکی تو کیا کچی توبہ کی بھی نوبت نہ آئی ۔کیونکہ اس توبہ شکنی نے انہیں پھر اس قابل نہ چھوڑا کہ دوبارہ عزم وارادہ سے کام لے سکیں ۔شراب چھوڑنے سے لے کر توبہ توڑنے تک جتنی تکلیف انہوں نے برداشت کی تھی' سب ضائع ہوگئی اور وہ از سر نو اس قبیح عادت کے چنگل میں گرفتار ہو گئے ۔حالانکہ جس طرح ابتدائی تکلیف کا دور بخیر وخوبی گزر چکا تھا' اگر وہ اپنی بات پر قائم رہتے اور اس شیطان صفت دوست کے ورغلانے میں نہ آتے تو وہ اس شیطانی عمل پر فتح پا ہی چکے تھے' لیکن استقامت کی کمی نے اُن کا کیا دھرا ضائع کر دیا ۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ اُنہوں نے ایک شخص کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا اور پوچھا کہ اس نے کیا جرم کیا تھا ۔لوگوں نے بتایا کہ یہ ڈاکو ہے اوّل چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا' مگر پھر بھی یہ چوری سے باز نہ آیا تو بایاں پاؤں کاٹا گیا پھر بھی باز نہ آیا تو سولی کی نوبت آئی ۔حضرت جنیدؒ یہ سن کے آگے بڑھے اور اس کے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا ۔لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے ۔حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اس کے استقلال اور استقامت کے وصف کو بوسہ دیا ہے جو اس کے نفس میں تھا' اگر چہ اس بیوقوف نے اسے شر ومعصیت میں استعمال کیا اور اس کی بجا طور پر سزا پائی ۔ہم یہ سوچتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی نیکی اور طاعت کے معاملے میں ایسی ہی استقامت نصیب ہو جائے ۔

عزم بالجزم میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت اور طاقت رکھی ہوئی ہے ۔جو شخص اپنی اچھی بات پر اڑ جانے کی قوت رکھتا ہو' مشکلات خود بخود اس کے آگے سر جھکا دیتی ہیں ۔نفس کا بہت سارا

زور تو اسی وقت ٹوٹ جاتا ہے جب انسان عزم کر لیتا ہے۔پھر اس کے بعد اگر وہ نفس کے چند حملوں کو پسپا کر لے تو بقول حکیم الامتؒ: چند دفعہ کے مقابلے اور نفس کے خلاف کرنے سے نفس خود بخود ہی ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔''

یہی حالت اچھی عادات کے ڈالنے کی ہے۔جو نیک کام شروع کیا ہے اس پر مداومت کریں۔حتیٰ الامکان اس میں ناغہ نہ ہونے دیں۔نہ اس کے خلاف ہونے دیں۔اس مداومت کی خیر و برکت سے نفس بہت جلد اس نیکی سے مانوس ہو جائے گا۔مثال کے طور پر کسی شخص نے اپنے آپ کو نماز کا پابند بنانے کا عزم کیا ہے۔اب نماز کی پابندی ایک ایسی شے ہے کہ اگر بچپن سے اس کا عادی نہیں بنایا گیا تو بڑے ہو کر اس کا پابند ہونا بے انتہا مشکل ہوتا ہے۔دن میں پانچ مرتبہ آرام یا کام یا کسی دلچسپ گفتگو کو چھوڑ کر اُٹھنا اور وضو کر کے نماز ادا کرنا اُن طبائع کو بہت گراں گزرتا ہے جو سہل پسند ہوں اور جنہیں شروع سے اس بات کی عادت نہ ڈالی گئی ہو کہ اپنے روزمرہ کے کاموں کو نماز پنجگانہ کے اوقات کی روشنی میں منضبط کریں۔مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ ابتدائی چند دن تو انسان جوش و خروش کے باعث اتنی تکلیف محسوس نہیں بھی کرتا، مگر جب جوش ذرا مدھم پڑتا ہے تو پھر یہ پانچ وقت کی پابندی زیادہ مشکل معلوم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔جیسے ہی نماز کا وقت آتا ہے، دل حیلے بہانے ڈھونڈنے شروع کر دیتا ہے۔کبھی کوئی اس وقت کیا جانے والا کام از حد ضروری محسوس ہونے لگتا ہے، کبھی کوئی پاس آ کر بیٹھا ہوا مہمان کافی عذر معلوم ہونے لگتا ہے، کبھی کوئی اُس وقت پڑھی جانے والی کتاب ضرورت سے زیادہ دلچسپ لگنی شروع ہو جاتی ہے، کبھی ارد گرد کوئی ایسی دل پسند گفتگو ہو رہی ہوتی ہے جسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔کبھی شیطان دل میں وسوسے پیدا کرنے لگتا ہے کہ آخر اس نماز کا فائدہ کیا ہو گا جسے پڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہو بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ابھی اُٹھتے ہیں، ابھی اُٹھتے ہیں، سوچتے سوچتے ہی وقت گزر جاتا ہے۔

یہی وہ فیصلہ کن وقت ہوتا ہے جب انسان یا تو اپنے نفس پر فتح پا لیتا ہے یا پھر اس سے بری طرح مار کھا جاتا ہے۔ایسے اوقات میں اگر تو اس نے اپنے اس نیک عمل پر مداومت برتی اور

سب کاموں اور دلچسپیوں کو جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا اور جی کے چاہنے اور نہ چاہنے کو قطعی نظر انداز کر کے اپنے فرض کو ادا کر لیا تو اب اس کا حیلہ جو نفس اس کے مقابلے میں دن بدن کمزور ہوتا جائے گا' یہاں تک کہ نماز کی پابندی کی راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ لیکن اگر انسان بدقسمتی سے کمزوری کا شکار ہو گیا اور ایک نماز کا بھی ناغہ کر دیا تو اب نماز کی پابندی کی منزل مقصود اس سے اور بھی زیادہ دور ہو جائے گی۔ جہاں تک اُن نیک اعمال کا تعلق ہے جو فرائض کی حیثیت رکھتے ہیں' ان میں مداومت نہ برتنا تو باقاعدہ گناہ ہے۔ جی چاہے یا نہ چاہے فرض تو ادا کرنا ہی ہوگا۔ جس عمل کو خدا نے لازمی کر دیا ہو' جی کی کیا اوقات ہے کہ اس میں اپنے چاہنے یا نہ چاہنے کا سوال اٹھائے۔ باقی رہے وہ نیک اعمال جو نوافل کی حیثیت رکھتے ہیں' تو ان میں بھی مداومت برتنا ازحد پسندیدہ ہے۔ کسی نیکی پر مداومت برتنا نفس کے زور کو توڑنے اور اس نیکی کی راہ میں آنے والی مشقت کو گھٹانے بلکہ ختم کرنے کا ایک کامیاب نسخہ ہے۔ جو کام باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ بار بار کیا جاتا رہے گا' وہ چاہے کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو' اس مداومت کی برکت سے آسان ہو کر رہے گا۔ مداومت عمل کی فضیلت اسی فضیلت سے ظاہر ہے کہ خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیے کھا اور اس کی تعریف بھی فرمائی۔

حضرت عائشہؓ کے بارے میں ایک روایت بیان کی ہے جس کے آخر میں حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس پر مداومت برتی جائے۔ اگر چہ وہ چھوٹا ہی ہو۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول خداﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبداللہؓ فلاں کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ (پہلے) رات کو عبادت کیا کرتا تھا' پھر اس نے رات کی عبادت چھوڑ دی۔ (نسائی)

عقیدۂ توحید

(ابتسام فہیم ایڈووکیٹ)

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے توحید پر یقین پہلی شرط ہے۔توحید کا مطلب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی پیدا کرتا اور وہی موت دیتا ہے۔اسی کے لیے جینا ہے اسی کے لیے مرنا ہے۔اسی کے لیے جھکنا ہے اسی کے آگے جھکنا ہے اور وہ جو ہر شے پر قادر ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا: وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی ؟اس کی بیوی نہیں ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے یعنی وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔

زمانہ جاہلیت میں کفار فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کر اللہ عزوجل کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے تھے۔یہود عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو۔ان سب کی قرآن پاک میں بھرپور انداز میں تردید کی گئی۔مگر صد افسوس کہ آج کا مسلمان تصورِ توحید کو ہی بھلائے بیٹھا ہے۔آج اللہ سے زیادہ خواہش نفس کی پرستش کی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی بجائے خواہشات کی پیروی کی جاتی ہے۔جب کہ حقیقتاً ہمارا جینا مرنا کھانا پینا کمانا اٹھنا بیٹھنا یہاں تک کہ زندگی کا ہر بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کام بھی ایک اللہ ہی کے لیے ہونا اور ایک اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔اگر ذرا سا بھی اس سے ہٹ گئے تو شرک کے مرتکب ہو گئے۔

توحید کا متضاد ہے شرک۔شرک اپنے معنی کے حوالے سے خاصا وسیع لفظ ہے جس کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی الحقوق یا عبادات۔

☆شرک فی الذات یعنی ایک اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا۔ جیسے کسی کا اللہ پر بیوی بیٹا یا بیٹیوں کے حوالے سے افتراء باندھنا یا کسی بھی طرح سے اللہ کی وحدانیت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک فی الذات کے زمرے میں آتا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں اس طرح رد کیا گیا اور اللہ نے اپنے بندے محمد ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا ہے کہ وہ تنبیہ کر دیں ان کو جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا۔ ان کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے اور نہ ان کے آباء کے پاس بہت بڑی بات ہے یہ جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے۔ تم ایک بڑی بھاری بات کر رہے ہو بڑی جسارت اور بڑی ڈھٹائی کا معاملہ کر رہے ہو۔ یہ اس درجے کی جسارت ہے کہ آسمان اس وجہ سے پھٹ پڑنے کو ہیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا حالانکہ رحمٰن کے تو یہ شایان شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

☆شرک فی الصفات یعنی اللہ پاک کی صفات میں کسی کو شریک کرنا جیسے زندگی دینے والا موت دینے والا خالق و مالک رازق وغیرہ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

افسوس کی بات یہ ہے کہ بتوں کے علاوہ اقوام اپنے نبیوں اور ولیوں کے ساتھ انسیت میں بھی اس شرک میں مبتلا رہی ہیں دورِ جدید کا شرک فی الصفات بتوں اور انسانوں سے بڑھ کر مادہ پرستی تک جا پہنچا ہے۔ انسان نے منطق سے سوچنا شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ آکسیجن ہوتی ہے تو سانس آتی ہے دوا لو تو آرام آتا ہے یہ نہیں سوچا کہ آکسیجن کو بنانے والا کون ہے دوا بنانے کے لیے عقل کس نے دی بالکل اسی طرح شرک کی ایک جدید قسم میں وطن پرستی بھی شامل ہو چکی ہے شہادت تو بس اللہ کے لیے ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

☆شرک فی الحقوق یا شرک فی العبادات یعنی حقوق اللہ کے معاملے میں شرک کا مرتکب ہونا۔اللہ رب العزت کے حقوق تو بے شمار ہیں مگر ان میں سے ایک جو سب سے اہم اور بنیادی حق ہے وہ ہے عبادت۔ عبادت کے معنی اور مفہوم بہت بلیغ ہیں عبادت خالصتاً صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے اور عبادت میں ہماری زندگی کا ہر کام آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین و دنیا کا ہر کام اللہ پاک کی عبادت سمجھ کر کیا جائے۔

اللہ پاک عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ال ر۔یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئیں پھر وہ کھولی گئیں، ان کی تفسیر کی گئی اس کی طرف سے جو کمال حکمت والی ہے۔ تمام چیزوں سے باخبر ہے اور یہ اس لیے نازل ہوئی کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی۔یقیناً میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے خبر دار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔

سورہ فاتحہ میں فرمایا گیا: ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔یعنی عبادت خالصتاً صرف اور صرف اللہ کے لیے ہی ہے۔بالکل اسی طرح محبت بھی جو کہ عبادت سے منسلک ہے۔سب سے پہلے اللہ کے لیے ہونی چاہیے جس میں آپ کا دل و دماغ آپ کے ساتھ سجدے میں جھکے۔اللہ سے محبت کے بارے میں مقدس کتاب قرآن پاک میں ارشاد ہے:اور لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے سوا کچھ ہستیوں کو اس کے مدمقابل بنا کر ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت کرنی چاہیے یعنی توحید کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے صرف اللہ کے ایک ہونے پر ایمان لانا نہیں بلکہ ہر طرح کے شرک سے بچنا بھی بہت ضروری ہے۔علاوہ ازیں اپنی عبادات ومعاملات میں اللہ کے وجود اور توحید اور شرک کی حدود کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔اللہ ہمیں توحید کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور شرک جیسی لعنت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔ (بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس 18 نومبر 2016ء)

شیخ سلسلہ کا تبلیغی دورہ چوک اعظم و محفل سماع

(مجاہد محمود)

بابا جان ۳ ملتان سے نومبر بروز جمعرات بوقت تقریباً بارہ بجے دوپہر بھائی شاہد بسرا کے ہمراہ چوک اعظم تشریف لائے۔ ہم تمام بھائیوں نے اصغر علی صاحب کے گھر بابا جان کا استقبال پھولوں کے ہار پیش کر کے کیا۔ بابا جان تمام موجود بھائیوں کو گلے ملے۔ بعدازاں آپ نے فرداً فرداً ہر ایک بھائی کی خیریت دریافت کی۔ چائے کا دور چلا اور خوب بات چیت ہوئی۔ سب توحیدی بھائیوں نے قبلہ بابا جان کے ساتھ ہی پیارے بھائی اصغر علی صاحب کے گھر کھانا کھایا پھر بابا جان نے آرام فرمایا۔ نماز عصر کی باجماعت ادائیگی کے بعد کارواں کی صورت میں بابا جان کے ہمراہ تمام بھائی عبدالحمید کے گھر پہنچے۔ وہاں پر موجود بھائیوں نے شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان کا بھرپور استقبال کیا۔ چائے پی گئی۔ بابا جان کی نصیحت آمیز اور پر لطف گفتگو جاری رہی۔ بابا جان نے نماز کی اہمیت اور مسلمان کی زندگی میں اس کے کردار پر روشنی ڈالی۔ روزوں کے بارے میں فرمایا کہ سال میں ایک مرتبہ آتے ہیں۔ زکوٰۃ اور حج صاحب استطاعت پر فرض ہیں۔ نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو دن میں پانچ مرتبہ وقت کی پابندی کے ساتھ ہر عاقل بالغ مرد و عورت پر فرض ہے بابا جان نے قرآن مجید کے حوالہ سے فرمایا کہ قیامت کے روز تین جماعتیں اٹھائی جائیں گی۔ ایک دائیں ہاتھ والے جو جنت میں جانے والے ہوں گے۔ ایک بائیں ہاتھ والے جو خسارہ پانے والے ہوں گے۔ ایک گروہ سب سے آگے ہوگا جو سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ سبقت لے جانے والوں کے کیا کہنے۔ وہ تو اللہ کے ہاں مقرب ہوں گے۔ جھوٹ اور سچ کی بات ہوئی تو بابا جان نے ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے

پاس ایک صحابی آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مسلمان وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے کچھ دیر توقف فرمایا اور کہا کہ ہاں انسان بڑا عاجز ہے اس سے وعدہ خلافی ہو سکتی ہے۔ پھر صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا مسلمان امانت میں خیانت کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دہرائی۔ پھر صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا مسلمان جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فوراً فرمایا! نہیں مسلمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

فیض رسانی اور نصیحت کا سلسلہ اسی طرح آدھا گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد نماز مغرب کا وقت ہو گیا نماز کے فوراً بعد حلقہ ذکر کی محفل شروع ہوئی ذکر بھائی عبدالرزاق نے کروایا۔ ذکر کے بعد بابا جان نے ملک و ملت اور بھائیوں کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ حلقہ ذکر کے بعد بابا جان نے سب بھائیوں کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانے کے بعد بابا جان بھائی جان اصغر علی صاحب کے گھر آرام کے لیے تشریف لے گئے۔

۴ نومبر بروز جمعہ پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی کے گھر بابا جان نے تمام بھائیوں کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ بابا جان قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب ؒ کا ذکر مبارک چھڑ گیا تو گزشتہ دور کی یادیں تازہ ہو گئیں کیونکہ جہاں ناشتہ کا اہتمام تھا وہاں بابا جان رات کو آرام فرمایا کرتے تھے۔

دوپہر کا کھانا بھائی فوجی لیاقت صاحب کے ہاں تھا۔ بابا جان اور اصغر علی صاحب تقریباً بارہ بجے لیاقت صاحب کے گھر پہنچے۔ کھانے کے بعد جمعہ کی نماز بلال مسجد واقع وارڈ نمبر 7 میں ادا کی گئی۔ آرام فرمانے کے بعد بابا جان فتح پور سے آئے ہوئے بھائیوں سے ملے۔ نماز مغرب تک دل پذیر اور روحانی گفتگو جاری رہی۔ نماز مغرب کے فوراً بعد حلقہ ذکر شروع ہوا اور حلقہ ذکر کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی بھائیوں کو عشائیہ پیش کیا گیا۔ کھانے کے بعد بابا جان نے نئے آنے والے طالب بھائیوں سے سلسلہ توحیدیہ کا تعارف اور اس کے مقاصد بیان فرمائے۔ اس دوران ہمارے بھائی مولوی خوشبو والے (جن کا نام بابا جان قبلہ ڈار صاحب ؒ نے رکھا تھا) نے مختلف شعرا کے نعتیہ کلام مترنم آواز میں پڑھے۔

اسی طرح رات گئے تک محفل جمی رہی۔ جب محفل برخاست ہوئی تو بھائی ایک ایک کر کے اجازت لے رہے تھے فتح پور کے ایک بھائی نے بابا جان کا ہاتھ چوما۔ جس سے بابا جان نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے منع فرمایا اور مزید وضاحت فرمائی کہ بھری محفل میں ہاتھوں کو ہرگز نہ چوما جائے۔ ہاں اگر کسی بھائی کو بہت زیادہ پیار آ رہا ہو تو اسے تخلیہ میں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

بابا جان نے سلسلہ تکلم جاری رکھا جہاں آپ نے نصیحت کی کہ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس سلسلے میں بیعت ہوئے ہیں نہ کہ پیر پرستی کے لیے۔ اس کے بعد بابا جان آرام کرنے کے لیے کمرے میں تشریف لے گئے اور محفل برخاست ہو گئی۔

5 نومبر بروز ہفتہ مجاہد بھائی کے ہاں بابا جان کے ساتھ سب بھائیوں نے پرتکلف ناشتہ کیا۔ دوپہر کا کھانا شاہد بسرا کے ہاں تھا۔ کھانے کے بعد بابا جان نے آرام فرمایا۔ اصغر علی صاحب نے بابا جان کے آرام کا خصوصی اہتمام کیا۔ اپنے گھر کا الگ تھلگ کمرہ بابا جان کے آرام کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ محفل سماع کے لیے دارارقم سکول کا انتخاب ہوا۔ محفل کے شایانِ شان ماحول سازگار بنایا گیا تھا۔ دعوت عام کے لیے تقریباً چاروں اطراف سڑکوں پر خوبصورت بینرز لگائے گئے تھے خصوصاً مہمانانِ گرامی کے استقبال کے لیے بینرز آویزاں کیے گئے تھے۔ اندرون شہر باسیوں کو بھی دعوت نامے دیے گئے تھے۔ سکول کے اندر پنڈال کو قمقموں سے روشن کیا گیا تھا۔ اور باہر گلی میں دور دور تک لائیٹیں لگائی گئی تھیں جو ماحول کو خوب تر اور قابل دید بنا رہی تھیں۔ پنڈال کے اندر سٹیج کو اس طرح سجایا گیا تھا کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا مونوگرام اور اللہ اسم ذات قمقموں کی روشنی میں نمایاں اور خوبصورت سماں پیش کر رہا تھا۔

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نوبہار چلے ۔۔۔ چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

تمام بھائی نمازِ عصر تک پنڈال میں تشریف لا چکے تھے۔ عصر سے مغرب تک چائے

اور بات چیت کا سلسلہ چلا۔ مغرب کی نماز کے بعد حلقہ ذکر شروع ہوا۔ ذکر سے قبل ملتان، فتح پور سے کافی بھائی پہنچ چکے تھے۔ گوجرانوالہ سے ہمارے پیارے بھائی قیصر شاہ صاحب تشریف لائے۔ ملتان، شجاعباد اور فتح پور سے بھائی بروقت تشریف لائے۔ مہمانوں کی کھانے سے تواضع کی گئی۔ کھانے کے بعد محفل سماع کا آغاز ہوا۔ بابا جان، خالد محمود بخاری اور سید عابد کبیر شاہ کے ہمراہ سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ قوالی کا آغاز حمد سے ہوا۔ سب بھائیوں نے پوری محبت اور لگن سے قوالی سماعت کی۔ بابا جان نے پوری محبت بانٹی اور فیض لٹایا۔ محفل خوب گرم ہوئی اور لطف و فیض بھرا اجتماع پونے بارہ بجے رات اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد سب نے مل کر ترانہ توحیدیہ پڑھا اور آخر میں فتح پور اور ملتان سے آئے ہوئے بھائیوں میں بابا جان نے اپنے دست شفقت سے گفٹ تقسیم کیے اور محفل اختتام پذیر ہوگئی۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے بزرگ بھائی پیر خان صاحب کی ہمشیرہ

لاہور سے بھائی عالمگیر صاحب کے خالہ زاد بھائی

عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کے ہم زلف سید ناصر شاہ

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
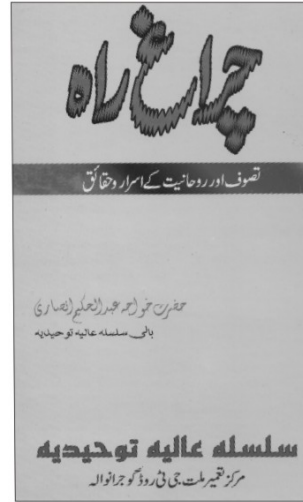
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
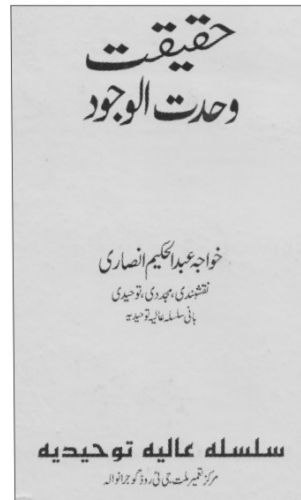
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
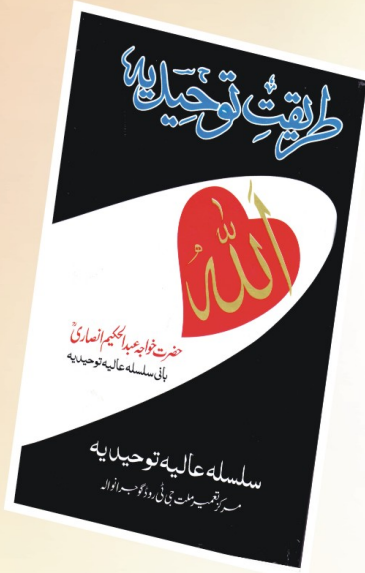
Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com